[illegible]
[illegible]

شعرستان

یعنی

سیّد محمود اعظم فہمی ترمذی

کی

ادبی، اخلاقی، نظموں، غزلوں اور تضمینوں وغیرہ کا

منتخب مجموعہ

مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی

فہرست

فہرست

انتساب

میں اپنا مجموعۂ افکار اپنے ملک کے نامور ہر دل عزیز
اور مایۂ ناز شاہزادہ جواں دولت و جواں اقبال

عالیجناب میجر نوابزادہ فخر الملک سعید الظفر خاں صاحب بہادر باقابہ

کی خدمت میں نذر کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

"فہمی ترمذی"

اشارات

از
حضرت جگر مرادآبادی

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

دنیائے ادب میں وقیع اردو نظم نگار حضرات نے اپنے لئے مختلف میدان پیدا کرلئے ہیں بعض مناظر قدرت کی عکاسی پر قادر ہیں۔ بعض نے رومینٹک لطافتوں کے گل وگلزار بنالئے ہیں اوراسی کی بوئے جانفزا سے مست و سرشار نظر آتے ہیں۔ ملّی وملکی، اخلاقی واصلاحی نظم نگار حضرات میں بھی ان پھولوں کی مہک پائی جاتی ہے۔ لیکن با این ہمہ جامعیت آخرالذکر قسم کے متاہیر کا مقصد اولین و آخرین اصلاح ملک و قوم ہے اوربس۔

لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ فلسفہ وحکمت، شعروادب سے قوم اور ملک میں کوئی عملی انقلاب نہ کبھی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ شعروادب خود نتیجہ ہوتے ہیں حالات وانقلابات کا واقعات شاہد ہیں کہ آج تک کبھی کسی فلسفے نے قوم وملک میں کوئی علمی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ فلسفی اور شاعر کی دنیا صرف ذہنیات اور لطیف ونازک رنگینیوں تک محدود رہا کرتی ہے اس لئے یہ حضرات جو کچھ قوم وملک کو دیسکتے ہیں وہ صرف چند ناتمام دماغی اُلجھنیں ہیں یا میخانۂ حسن وعشق کے چند قطراتِ جاں پرور وہوش ربا۔

اگرچہ تاریخی اعتبار پر اس طرح کی بہت سی مثالیں پیش کیجاتی ہیں کہ ایک ادیب

ایک شاعر کی سحر طرازیوں نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مورخ ادبی نے شاعر و ادیب کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ میں یہاں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے ایک شعر پہ اکتفا کرتا ہوں۔

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

دراصل انقلاب کا باعث شاعر یا فلسفی کے خیالات و نظریئے نہیں ہوتے ان کی تخلیق و نشو و نما تو خود نتائجِ انقلاب سے ہوتی ہے۔ انقلاب کا اصل سبب اور تاثرات کی حامل اُس روحانی قائد کی علمی زندگی اور عملی زندگی کی روحِ رواں صداقت ہوتی ہے اور یہی وہ لطیف فرق ہے جس کی وجہ سے مورخِ فلسفہ و ادب کو غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔

میرے دوست فہمی بھی مناظر نگار اور قومی و اخلاقی شاعر ہیں۔ لیکن بغیر کسی مبالغہ کے اس حقیقت کا معترف ہوں کہ جناب فہمی چونکہ اپنے اندر عملی صداقت بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے اُن کے کلام میں عملی انقلاب پیدا کرنے کی استعداد بدرجۂ اتم موجود ہے۔

اردو ادب نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے، میرے نزدیک بہت کم شعرا ایسے ہیں جن کی زندگی اُن کے ذاتی تاثرات کے ساتھ ساتھ صورتِ شعری اختیار کرتی رہتی ہے۔

جناب فہمی ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ اُن کے کلام میں جوش بھی ہے، رنگینی بھی ہے اور نغمہ بھی۔ لیکن سب سے بڑی خصوصیت اُنکی وہ ذہنی اور عملی صداقت ہے جو اُن کی زندگی کے ہر شعبہ میں پائی جاتی ہے اور جس نے اُنکی شاعری کو ایسی کامیاب شاعری بنا دیا ہے جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی اور جس کے اثراتِ مابعد انقلابِ ذہنی و عملی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں نے دانستہ جناب فہمی کی خصوصیاتِ کلام کو اجمالی طور پر پیش کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل خود ناقدانِ فن اور صاحبانِ نظر پہ چھوڑتا ہوں اور یہی طریقہ زیادہ محفوظ ہے اور غالبًا مستحسن بھی۔

اس سے زیادہ کلامِ فہمی کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مجھے تسلیم ہے کہ یہ مختصر سا مضمون بحد تشنہ ہے صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ اکثر و بیشتر مقامات بہت زیادہ تشریح و تفصیل چاہتے تھے لیکن جناب فہمی کے کلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ اُن کے لئے اسی قدر اشارات بہت کافی ہوں گے۔

آخر میں اس قدر عرض کر دینا غیر ضروری نہ ہو گا کہ جناب فہمی ایک انسان ہیں اور اُن کے کلام کو بھی نقائص سے بتمامہ پاک و صاف نہ ہونا چاہئے۔

مقدمہ

از

(جناب سید ناصر علی صاحب ناصر اٹاوی)

صدر ندوۃ الادب بھوپال

بالآخر ڈاکٹر اعزاز الدین خاں صاحب ایم اے۔ بی ٹی۔ ایم ایڈ۔ کی تحریک اور میری تائید سے مولانا محمود اعظم صاحب فہمی اپنے دلآویز کلام کو منظرِ عام پر لانے کے لئے آمادہ ہو ہی گئے۔

بہتر تو یہ تھا کہ اعزاز الدین خاں صاحب ہی مقدمہ بھی لکھتے مگر انھوں نے تو باوصف اہلیتِ خاص وہی عدیم الفرصتی کا پیش پا افتادہ اور پامال عذر کرکے یہ بار مجھ پر ڈال دیا۔ کیونکہ وہ اس "عدیم الفرصتی" کی آخر دم تک عقلی و نقلی دلائل سے مدافعت کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ لیکن میں اپنی کم مایگی اور اعتراف عجز کے باوجود یہ سطور حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

فہمی صاحب کا شمار اُن ممتاز ہستیوں میں ہے جنھوں نے خط و خال کے پامال مضامین سے قطع نظر کرکے جذباتِ صحیح کی ترجمانی اور نقوشِ فطرت کی مصوری کو اپنا شعار بنایا ہے۔

ان کی نظموں میں وہ ولولہ اور جوش ہے جس نے پس ماندہ اقوام کو غفلت وجمود سے نکال کر میدانِ سعی وعمل میں لا کھڑا کیا ہے۔

ان کا اندازِ بیان مؤثر ہی نہیں بلکہ اُس میں عزتِ نفس اور حریتِ ضمیر کی وہ غیر فانی روح موجود ہے۔ جو ہمیشہ قلوب کو گرماتی رہے گی۔

شعر وسخن کی احیا و بقا کے لئے مولانا کی مساعی اس درجہ مشکور اور اہم ہیں کہ دنیائے ادب انھیں ہمیشہ بنظرِ استحسان دیکھے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ علم دوست ہستیاں جو اردو علم ادب کو باعتبار علوِ تخیل، اور ندرتِ بیان مغربی شاعری کے دوش بدوش دیکھنا چاہتی ہیں، ان جواہر پاروں کی کہاں تک قدر کرتی ہیں۔ اور اس مجموعۂ کلام کا کس طور پر خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

فہمی صاحب کے ذہن کی رسائی اور اُن کے فطرت اور اُسکے جزئیات کے مطالعہ کا تقاضا تھا کہ اصنافِ کلام میں وہ نظم کو اپنے خیال کے اظہار کا آلہ بنائیں جس کی غیر محدود وسعتیں ان کی علوِ تخیل کا ساتھ دے سکیں، چنانچہ اُنھوں نے اپنی سلامت طبعی کی بدولت صحیح راستہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اُنھیں ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے متعارف کرا رہے ہیں۔ ان نظموں میں دریا جیسی روانی اور سمندر کا وقار ہے

تشبیہوں میں سنجیدگی اور لطافت ہے۔ اور واقعات اور کیفیات کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آنکھوں کے روبرو تصویر کھنچ جاتی ہے مقام کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب اُن کی خصوصیتِ خاص ہے۔

اس مجموعۂ کلام میں آپ کو فہمی صاحب کی مصنفہ غزلیں بھی نظر آئینگی جن میں سے بعض کو آپ "کامیاب کوشش" سے تعبیر کرنے پر مجبور ہونگے لیکن جب نظموں سے اُن کا مقابلہ فرمائیں گے تو نمایاں فرق نظر آئے گا وجہ وہی ہے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یعنی غزل کی محدود چہار دیواری میں اُن کی تخیل کی وسعت کو سمائی نہ تھی۔ ماسوا یہ کام اُن کی طبیعت کے اقتضا کے خلاف رہا یا احباب کی فرمائشوں کی تکمیل میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ خود بھی اس صنف سے اس قدر بے نیاز ہیں کہ آپ کی بے پروائی نے غزلوں کی بیاض دیمک کی نذر کر دی اور یہی وجہ ہے کہ اس مجموعۂ کلام میں کوئی مکمل غزل مشکل سے نظر آئے گی۔ بعض غزلوں کے تو صرف ایک دو شعر پڑھے جا سکے اس لئے اُنہیں کی نقل پر اکتفا کی گئی ہے۔

ہمارا ارادہ تھا کہ فہمی صاحب کے کلام سے ہر نوع کی مثالیں پیش کرتے اور اُن کے محاسن پر روشنی ڈالتے۔ لیکن نظم میں چونکہ بیان مسلسل ہوتا ہے اس لئے

ان سے کوئی جزو اس طرح سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا کہ کل پر حاوی ہو۔ لہٰذا ہم بہت سی ایسی نظموں سے جنھیں مصنف کے شاہکار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اقتباسات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اور انھیں اربابِ نظر کے وجدانِ صحیح اور ذوقِ سلیم پر چھوڑتے ہیں کہ ان نوادرِ افکار سے براہِ راست لذت اندوز ہوں۔

فہمی صاحب کے کلام میں جو جوش و ولولہ جدّتِ بیان اور سوز و گداز ہے اُس کا لطف کچھ پورے کلام کے غائر مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

یہاں ہم نے بعض نظموں سے ایسے مقامات کو اخذ کیا ہے جہاں ربطِ کلام مانع نہیں ہو سکا، اور غزلوں سے مختلف مضامین کے ایسے نمونے پیش کئے ہیں جن سے مصنف کی بالغ نظری اور قادر الکلامی کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے۔

قدرتی مناظر جو حضرات اردو شاعری کے دامن کو مناظر نگاری کے پھولوں سے تہی خیال کرتے ہیں وہ ذیل کے اشعار کا مطالعہ فرمائیں، اور انصاف کریں کہ جس کیفیت کو لیا ہے اُس کا ہو بہو فوٹو کھینچ دیا ہے۔

بارش کا سماں دکھاتے ہیں:۔

اک بار گھٹا ہوئی نمایاں پہلو میں لئے ہوئے گلستاں
پھر جھوم کے وہ سحاب برسا اتراتے چمن شباب برسا
عشرت برسی ہے بن کے پانی گلشن پہ برس پڑی جوانی

مستانہ وار شاخیں جھک جھک کے جھومتی تھیں آپس میں مل رہی تھیں رک رک کے جھومتی تھیں

یہ جامِ افق پُر خون
یہ رنگِ شفق گلگون
یہ مہر تپش در بر یہ ماہ ضیا گستر
بکھرے ہوئے یہ اختر بکھرے ہوئے یہ گوہر
موجوں میں شعاعوں کی چھٹکے ہوئے یہ تارے وہ نور کی لہریں ہیں، یہ نور کے فوّارے
اسرار کے سیپارے انوار کے طیارے
یہ نور کی دُنیا ہے

شاعر کی تعریف } شاعر کی تعریف اس سے بہتر ممکن نہیں۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گذری۔

حاصلِ فطرت حائلِ کلفت

مظہرِ قدرت پیکرِ الفت

نازشِ ہستی خلقیتِ شاعر شورشِ مستی فطرتِ شاعر

حسن پرستی ملتِ شاعر سیرِ دو عالم خلوتِ شاعر

غم کا مرقع، سوز سراپا، درد و الم کی دنیا شاعر

نظم تکمیلِ حسن میں حسن کی ابتدائی سادگی کا نقشہ کیسے اچھوتے انداز میں کھینچتے ہیں:-

حاملِ دوشیزگی تھی نزہتِ صبحِ شباب تشنۂ مضراب تھے گویا ابھی تارِ رباب

مطرب کی تصویر ملاحظہ ہو:-

اُٹھا اُس انجمن سے مطربِ محشر خروش دست بر دف، چنگ در کف، نے بلب، بربط بدوش

عاشق کا تعارف ایسے انداز میں کرایا ہے کہ ہو بہو نقشہ آنکھوں کے روبرو پھر جاتا ہے:-

وہ جو اطمینان سے کچھ فطرتاً ناآشنا وہ کہ جس کا ہر سکوں بھی نسبتاً نامعتبر

خشک لب، وحشی نگاہیں، رنگ فق، چہرہ اداس زرد رُخ، گیسو پریشاں، سرد آہیں، چشم تر

نگاہ کی تعریف دیکھئے :-

وہ نشہ جس سے منفعل تھیں مستیاں شراب کی
وہ شعلہ جس سے مشتعل تھیں شوخیاں شباب کی

لئے ہوئے متاعِ کیف دامنِ بہار ہیں
نشاطِ رنگ و بو کا ایک میکدہ کنار ہیں

آنسو کی تفسیر اس بلاغت سے کی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا :-

جو لب پہ نالے آ نہ سکے وہ آنکھوں سے بہ نکلے ہیں
جو درد نہیں ہے ظاہر میں اشک اُسکی شکلِ ہستی ہے

یہ کاشفِ کیفیاتِ دل، یہ جوہرِ حسیاتِ دروں
یہ ریزہ اک الماس کا ہے دل جس سے ٹکڑے ہوتا ہے

ہاں فتحِ ممالک ممکن ہے، تیروں سے اور تلواروں سے
مفتوح مگر دل ہوتا ہے جب کوئی مسکیں روتا ہے

تصوّف

مرکزِ جذبِ سرمدی، منزلِ عشقِ عامری
وہ ہے قریب اور یہ فاصلۂ دراز ہے

ایک شہیدِ آرزو، ایک اسیرِ رنگ و بو
ایک حقیقت آشنا، ایک سوئے مجاز ہے

سالک کو راہِ سلوک میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اُنھیں ملحوظ رکھتے ہوئے اُسے رہِ دراز سے تعبیر کرنا انتہائی بلاغت ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق کس نرالے انداز سے واضح کیا ہے۔

معاملہ بندی

سی کا میرے آنسو پونچھنے میں خود بھی رو دینا ۔۔۔ نہ بھولے گا کبھی مجھکو وہ منظر وقتِ رخصت کا

مجھسے نہ پوچھئے، مرا دامن نہ دیکھئے ۔۔۔ سوزِ دل و تراوشِ مژگانِ تر غلط

اُٹھی نگاہِ شوق، جھکی شرمگیں نظر ۔۔۔ دونوں میں اس طرح سے کچھ اقرار ہوگئے

اخلاق

اے رازدارِ رازِ کونین! اے سخنور! ۔۔۔ مغرور ہو نہ جانا احباب کی ثنا پر

ملحوظ ہو ہمیشہ اپنا وقار و تمکیں ۔۔۔ برداشت کرنی ہوگی نافہم کی ہنسی کی

موجوں کی شورشوں ہی میں ہے لذتِ حیات ۔۔۔ تو ناخدا کی طرح نہ ساحل کو دیکھنا

نومیدی و یاس

بُری ہوتی ہے مایوسی بُری ہوتی ہے مجبوری ۔۔۔ بنا کر ہم نے نقشِ آرزو، اکثر مٹا ڈالا

رخصت، شبِ انتظار، رخصت بجھتا ہے چراغ زندگی کا

مرنا بھی انتظار میں دشوار ہو گیا فہمیؔ نامراد کی مشکل کو دیکھنا

کیسی کٹی ہے آنکھوں ہی آنکھوں میں ساری رات تیری طرح کسی سے نہ وعدہ کرے کوئی

ان اشعار میں نومیدی و یاس کی جو کیفیات بیان ہوئی ہیں ان کا پورا لطف تو کچھ وہی اٹھا سکتے ہیں جنھیں عشق میں یاس سے سابقہ پڑا ہو۔ خصوصاً اول و آخری شعر میں جو جو سامانِ جراحت پنہاں ہیں بیان سے باہر ہیں۔

عاشقانہ

عشق کی پختہ کاریاں، توبہ دل سے شوقِ طلب بھی ہے معدوم
اُس کے مٹتے ہی مٹ گئی دنیا ہائے اک چیز تھا دلِ مرحوم

تشنۂ مضراب ہے سازِ جنوں پھر ہوس ہے نشترِ فصاد کی

عشق کی بندگی قبول، عشرتِ زندگی حصول آج وہ سنگِ آستاں اور سرِ نیاز ہے

ہمیں طوالت کا اندیشہ ہے ورنہ اس نگارستانِ سخن میں جہاں سے گزریئے :-

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا ست

اب ہم صرف اس حصّہ پر توجہ دلاتے ہیں جو درسگاہ کے عنوان سے اس مجموعہ کی زینت ہے ان اخلاقی نظموں کے عنوانات "عزمِ انسانی" "اعترافِ ضمیر" وغیرہ کس درجہ خشک فلسفی اور غیر شاعرانہ ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ فہمی صاحب کی رنگینیٔ بیان نے ان کی دلکشی اور دل آویزی میں کس قدر کامیاب کوشش فرمائی ہے۔

خصوصاً موصوف کا زورِ استدلال اور جزئیات کی تشریح پڑھنے والوں کو نہ صرف حیرت میں ڈال دیتی ہے بلکہ دلوں میں جو ولولے اور اُمنگیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اُن کا اظہار زبان و قلم سے ناممکن ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ حصّہ خصوصیت کے ساتھ ہماری قوم کے نوجوانوں اور طلبائے مدارس کے لئے حقیقی درسگاہ اور آنے والے اہلِ قلم کے لئے شاہراہ ثابت ہوگا۔

آخر میں ہم اپنے بیان کے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی تحریر کو مصنف موصوف کی زندگی کے مختصر حالات پر ختم کرتے ہیں۔

خاندانی حالات مصنف کا سلسلۂ نسب سید حسین اصغر محدث ابن امام زین العابدینؓ کے واسطے سے حضرت امام حسینؑ تک منتہی ہوتا ہے۔

ان کے اخلاف میں سے سید علی مدینہ سے ترکِ سکونت کر کے ترمذ آئے۔ اور وہاں مستقل بود و باش اختیار کی۔ جن کے صاحبزادہ سید احمد تختہ مثالِ رسول نے اپنے فرزند سید محمدؒ کو ترمذ میں اپنا جانشین مقرر کر کے خود ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور لاہور میں مدفون ہیں۔

سید محمدؒ ترمذی کے بعد اُن کے فرزند سید احمد زاہد معہ اپنے قبیلہ کے امیر نوح سامانی کی مدد کے لیے باغیوں کے مقابلہ میں تشریف لے گئے۔ اور غزنی سے سلطان سبکتگین غزنوی بھی امیر موصوف کی مدد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اسی جنگ میں سید موصوف اور سلطان سبکتگین سے ملاقات ہوئی۔ سلطان نے اپنی دختر گوہر تاج ملک سے (جو امیر اسمٰعیل کی حقیقی اور سلطان محمود کی سوتیلی بہن تھیں) سید موصوف کا عقد کر دیا۔

سلطان سبکتگین کی وفات کے بعد امیر اسمٰعیل اور سلطان محمود میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو کر امیر اسمٰعیل کی شکست اور اسیری پر ختم ہوا۔ سید موصوف نے اگرچہ اس خانہ جنگی میں شرکت نہیں کی لیکن اس کے بعد ترمذ کا قیام خلافِ مصلحت خیال کر کے بارہ ہزار اعوان و انصار کے ہمراہ عازم ہند ہوئے

اور لاہور ہوتے ہوئے پنجاب میں سوانہ کا قلعہ اُس کے برہمن راجہ سے فتح کیا اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔

ان کے منجھلے فرزند سید حامد کے اخلاف میں سے میر سید محمدؒ نے کالپی (ضلع جالون) میں رشد و ہدایت کا سلسلہ قایم کیا۔ آپ شاہ جمال اولیا صاحب اور شاہ ابوالعلا صاحب کے خلیفۂ خاص تھے۔ آپ اور آپ کے صاحبزادہ میر سید احمد صاحب کے خلفاء و مریدین ہندوستان میں بہ تعداد کثیر ہیں جن کے منجملہ الہ آباد میں دائرہ شاہ اجمل صاحب اور بلگرام و مارہرہ وغیرہ کی خانقاہیں خاص شہرت رکھتی ہیں۔ آپ کے حالات کتب تاریخ و سیر میں مفصل موجود ہیں۔ خصوصاً مآثرالکرام میں علامہ آزاد بلگرامی نے دونوں بزرگواروں کے حالات بالتفصیل لکھے ہیں۔

غدر کے بعد جب عطیۂ شاہی جاگیریں ضبطی میں آگئیں تو آپ کے اخلاف میں سے اکثر بہ تلاش معاش بعہد نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ بھوپال آکر معزز عہدوں پر فائض ہوئے۔ چنانچہ مصنف کے والد سید میر اعظم صاحب مرحوم تحصیل دیوان گنج میں تحصیلدار مقرر ہوئے۔

ولادت آپ ماہ شعبان ۱۸۹۶ء میں بمقام دیوان گنج ریاست بھوپال پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت علوم مشرقی کی تعلیم خانگی طور پر حاصل کی اور اردو کے اسکول سے ورناکیولر فائینل اگزامینشن ۱۹۱۲ء میں پاس کیا۔ شاعری میں حضرت محوی لکھنوی سے اصلاح لی۔

مشاغلِ علمی بھوپال کے مختلف علمی و ادبی اداروں میں (مثلاً دائرہ ادبیہ وغیرہ) سرگرم شریک رہے۔ آج کل خاص توجہ کے مرکز مسلم لائبریری، اور ندوۃ الادب ہیں جن میں اول الذکر کی صدارت اور ثانی الذکر کی نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مستقل تصنیف و تراجم علاوہ مضامینِ نظم و نثر جو ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں متعدد مستقل کتب بھی تصنیف و ترجمہ کی ہیں جن کے منجملہ چار مندرجہ ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) **تاریخِ مللِ قدیمہ**۔ ایشیا کی قدیم اقوام کی نہایت مستند دلچسپ اور ضخیم تاریخ ہے، جسے صرف آثار قدیمہ کے ذریعہ سے فرانسیسی زبان میں موسیو سینوبیس نے مرتب کیا اور محمد علی خاں ذکاء الملک ایرانی نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

(۲) **سیاحتِ زمین**۔ ۸۰ دن میں تمام کرۂ زمین کے گرد سفر۔ موسیو جولیس ورن کے ایک علمی ناول کا ترجمہ ہے

(۳) **سیاحتِ ہوا** - یہ بھی جولیس ورن کے دوسرے علمی ناول کا ترجمہ ہے جس میں فنِ پرواز اور ہوائی جہازوں کے متعلق علمی حیثیت سے بحث و معلومات ہیں۔ اس ناول میں خصوصیت کے ساتھ آپ کے تاریخی اور جغرافیادی نوٹوں نے کتاب کی اہمیت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔

(۴) **مشرقی ترکستان** - سر اوریل آسٹین کا چینی ترکستان میں سفر۔ اور وہاں کے آثار قدیمہ اور باقیاتِ علمیہ کی تحقیق و انکشاف نہایت دلچسپ سفرنامہ ہے۔

اول الذکر کتاب (تاریخ ملل قدیمہ) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے اور بقیہ تینوں کتابیں دائرہ ادبیہ لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اکثر مسودات مرتب اور مکمل موجود ہیں جن کی اشاعت کی ابھی نوبت نہیں آئی۔

غرض آپ زبان اُردو کے ایک سرگرم اور خاموش کارکن ہیں۔ فرائضِ ملازمت اور خانگی مصروفیتوں کے باوجود یہ پُرجوش علمی و ادبی خدمتیں یقیناً ہماری ستائش اور دلی شکریہ کی مستحق ہیں۔

قطعہ

سرگزشتیں حکایات کتابوں
دل کی واردات کتابوں
دل کے سب واقعات کتابوں
[illegible] اور روایات کتابوں

نفیس زیدی



سید محمود اعظم فہمی ترمذی
۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ع

جامعہ پریس دہلی

سرنوشت

ترانۂ حمد

اے کہ تیرا نام طغریٰ ہے ہر اک عنوان کا
اے کہ تیری حمد مطلع ہے ہر اک دیوان کا

اے کہ تیرا آستاں ہے سجدہ گاہِ کائنات
اے کہ تیری ذات سے ہے نغمۂ سازِ حیات

اے کہ تیرا ہر اشارہ پیکرِ فطرت کی روح
ہستیِ مطلق ہے تیری وحدتِ کثرت کی روح

ذکر تیرا روح کو ہے مایۂ صد انبساط
دل کو تیری یاد سے حاصل ہے اک تازہ نشاط

مدعائے زندگی ہے صرف تیری بندگی
بلکہ تیری بندگی ہے نازشِ صد زندگی

مرحبا وہ سر جو تیرے در پہ ہو صرفِ نیاز
حبّذا بندہ کہ جس کا تجھسا ہو بندہ نواز

دیدیا تاجِ درخشانِ خلافت خاک کو
شاہدِ عادل بنایا آیۂ لولاک کو

کنزِ مخفی میں ودیعت تھا جو اک رازِ نہاں
کر دیا روزِ ازل تفویض وہ بارِ گراں

چیر کر سینہ کو تو نے بھر دیئے اسرارِ عشق
عشرتِ دردِ محبّت لذتِ آزارِ عشق

دولتِ کونین کا پھر اُس کو حامل کر دیا
یعنی اپنی جلوہ گاہِ ناز کو دِل کر دیا

قطرہ قطرہ بحرِ رحمت کا ہے لبریزِ گہر
نعمتیں تیری فراواں میرا دامن مختصر

رازِ نیاز

رسمِ نیاز، اور یہ درگہِ بے نیاز ہے
قطرۂ اشک نذر کر دل میں اگر گداز ہے

اُن کے کرم میں سب شریک، ایک مجھی پہ ہے ستم
میری یہی خصوصیت باعثِ امتیاز ہے

عیش و طرب نہیں، نہوں، کرب و الم یہی سہی
وہ بھی کسی کا لطف تھا، یہ بھی کسی کا ناز ہے

اُن کی حریمِ ناز کا محرمِ راز کون تھا
شورشِ عشق ہی فقط پردہ کشائے راز ہے

مرکزِ جذبِ سرمدی منزلِ عشقِ عامری
وہ ہے قریب اور یہ فاصلۂ دراز ہے

ایک شہیدِ آرزو، ایک اسیرِ رنگ و بو
ایک حقیقت آشنا، ایک سوئے مجاز ہے

عقل کا ہے تو ہو قصور، تجھ کو یہ فرق کیا ضرور
ایک پر التفات ہے، ایک سے احتراز ہے

فرقِ حقیقت و مجاز مجھکو نہیں، نہیں سہی
تو تو حقیقت و مجاز، دونوں سے بے نیاز ہے

مجھ میں نہیں ہے جذبِ حال، تجھکو کشش ہے کیا محال
مجھ کو نہیں جو امتیاز، تجھکو تو امتیاز ہے

عشق کی بندگی قبول، عشرتِ زندگی حصول
آج وہ سنگِ آستاں اور سرِ نیاز ہے

عمرِ عزیز نذر کر، جانِ حزیں نثار کر
فہمی زار سامنے بارگہِ حجاز ہے

سازشِ بخت کامیاب، سوزشِ قلب مستجاب
حسن کی جلوہ گاہ میں آج ہے عشق، بار یاب

نغمۂ نعت

ہے حاصلِ سعی خوش بیانی ہے اصلِ متاعِ زندگانی
محبوبِ خدا کی نعت گوئی ممدوحِ خدا کی مدح خوانی

اے باعثِ فخرِ نوعِ انساں اے مایۂ نازِ اہلِ ایماں
اے نورِ تجلّیِ حقیقت اے عقدہ کشائے رازِ عرفاں

اے مرکزِ عشقِ کبریائی اے مشعلِ راہِ حق نمائی
سرچشمۂ رحمت و ہدایت حاصل تجھے عرش تک رسائی

اے قلزمِ معرفت کے گوہر اے اوجِ شرف کے مہرِ انور
اے روحِ حقیقتِ رسالت اے باعثِ خلقِ ہفت کشور

اے خلقتِ دوجہاں کے حاصل اے فطرتِ کُن فکاں کے حامل
ہر قول ہے تیرا شرعِ محکم ہر فعل ہے رہنمائے منزل

اے منظرِ اولیںِ ایجاد اے مصدرِ بہترینِ ارشاد
اللہ کا تو رشید شاگرد کونین کا تو شفیق اُستاد

اے مالک و تاجدارِ بطحا بے شبہ ہے تیری ذاتِ والا
تاثیر خلیل کی دعا کی تصدیق بشارتِ مسیحا

نازِ نیاز

حجت اللہ، شاہد و مشہود — اے خوش آں حامد وزہے محمود
داعیِ بندگان و داعیِ حق — مایۂ عبد و رحمتِ معبود
رشتۂ خاصِ خالق و مخلوق — جذبۂ پاکِ ساجد و مسجود
جلوۂ بے مثالِ حسنِ ازل — سِرِّ مخفی کی بے نظیر نمود
من رأنی فقد رأی الحق — پردۂ راز از میاں بکشود
ہے یہی میری عمر کا حاصل — ہیں یہی میری زندگی کے حدود
کہ اُسی آستانِ عالی پر — منحصر ہو مرا قیام و قعود
اُس طرف سر جھکا رہے میرا — جس طرف ہو وہ قبلۂ مقصود
سجدۂ شوق کے سوا ہرگز — میرے پیشِ نظر زیاں ہو نہ سود
یوں رہے احترامِ شرعِ شریف — بندگی ہو مگر بہ طرزِ درود
نازشِ فرق و افتخارِ جبیں — باعثِ رشکِ صد ہزار سجود
پھر اُسی عالمِ تحیّر میں — میری ہستی مٹے فنا ہو وجود
اور احباب کہہ اُٹھیں "فہمی" — حاصلِ زندگی ز دہر ربود
بر محمدؐ و آلہ الامجاد — باد از حق درودِ نا محدود

مکاشفات

(۱)

اے محرمِ حقیقت، اے مخبرِ صداقت   اے نے نوازِ قدرت، اے ترجمانِ فطرت
یہ رفعتِ تخیّل، یہ ندرتِ تفکّر   یہ وسعتِ نظر ہے تخلیق کی ودیعت
خالق نے دے دیا ہے حسّاس قلب تجھکو   حق نے عطا کیا ہے دل کو گدازِ الفت
سوز و تپش ہیں تیری تعمیر کے عناصر   ہے کاہشِ الم کا مرکز تری طبیعت
دنیا کی تلخ کامی تیری سرشت میں ہے   تیرے خمیر میں ہے دردِ غمِ محبّت
دستِ قضا نے یعنی چُن چُن کے بھر دیے ہیں   تیرے رُبابِ ہستی میں نغمہائے حسرت

تو خوگرِ جفا ہے، تو درد آشنا ہے
تو پیکرِ رضا ہے، خضرِ رہِ وفا ہے

(۲)

ے رازدارِ رازِ کونین، اے سخنور   مغرور ہو نہ جانا احباب کی ثنا پر
مدح یہ ستائش ہے رائے دوستوں کی   دھوکا دیا کیا ہے جن کو خلوص اکثر
ن کے سوا بھی کچھ ہیں جو اِن کے ہمنوا ہیں   ذوقِ لطیف جن کا تقلید کا ہے خوگر

ملحوظ بعض کو ہے پابندیِ مراسم — خواہانِ داد تجھ سے ہیں بعض دادگستر
مدِّ نظر کسی کو تیرا ہے پاسِ خاطر — تحسیں نہیں ہے وجہِ تنقیدِ عیب وجوہر
اظہارِ شعر فہمی مقصود ہے کسی کا — اپنی ثنا صفت اِس تعریف میں ہے مضمر

اس شورِ آفریں پر تجھکو ہے فخر بیجا
تحسینِ بے سبب پہ نازش نہیں ہے زیبا

(۳)

دلگیر ہو نہ جانا تعریض پر کسی کی — تقریظ پر نہ بننا تصویر بے کسی کی
چھٹنے نہ پائے ہاتھوں سے دامنِ تحمل — سننا سکونِ دل سے ہر رائے مدعی کی
ایراد وطعن بیجا ہر نکتہ چیں کے سہنا — باتوں سے جانچ لینا فطرت کو آدمی کی
اپنے خلاف سُن کر چیں بر جبیں نہ ہونا — جذبات ہوں حسد کے یا بات دشمنی کی
ملحوظ ہو ہمیشہ اپنا وقار وتمکیں — برداشت کرنی ہوگی نافہم کی ہنسی کی
ٹوکے غلط بھی کوئی تو ہنس کے ٹال دینا — ہے شرطِ آدمیت خو صلح وآشتی کی

ناقدریِ سخن کا تجھکو ملال کیا ہے
دنیا میں خود چلے گا سِکّہ اگر کھرا ہے

(۴)

بیجا کبھی کسی کی تقلید تو نہ کرنا — کورانہ پیروی ہے اک داغ حریت کا

پابندِ رسم کیوں ہو جولانیِ طبیعت — آزاد تیری ہستی، آزاد تیری دنیا
جا اُس طرف، جدھر کو لیجائے فکر تیری — چل، جسطرف چلائے آزاد ذہن تیرا
پرواز تیز تر کر جذبات کی فضا میں — وسعت میں اپنے دل کی ڈھونڈھ اک مقام ایسا
چھائے ہوئے جہاں ہوں امن و سکوں کے بادل — نغمے برس رہے ہوں بہتے ہوں مست دریا
منظر میں جس کے فطرت خود مسکرا رہی ہو — حُسنِ ازل ہو صرفِ تزئینِ کوہ و صحرا

اُس سرزمیں میں اپنی دنیا الگ بنانا
دن رات مست رہنا اور اپنے گیت گانا

رباعی

بچپن مجھے رکھتی ہے اک کاوشِ پیہم
اک آہ ہوں بیساختہ، اک دردِ مجسم
ہر شعر ہے لیکن مرے جذبات کی تصویر
من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

شاہکار

تخلیق شاعر

محفلِ فطرت (۱) منزلِ قدرت

منظرِ کثرت مظہرِ وحدت

گلشنِ ہستی، عالمِ امکاں حسن سراپا، عشق کا خواہاں

دید طلب تھا، جلوہ عریاں مہر بلب تھا ساغرِ عرفاں

رازِ حقیقت بے محرم، یا سازِ حقیقت بے مطرب تھا

گنبدِ اخضر (۲) مہرِ منوّر

یہ مہ و اختر حسن سراسر

نورِ افق سے صبح تھی زرّیں رنگِ شفق سے شام تھی رنگیں

سب تھے مرتّب حُسن کے آئیں دن تھے درخشاں راتیں سیمیں

نورِ حقیقت ظاہر لیکن طورِ حقیقت بے موسیٰ تھا

یہ گُلِ خنداں (۳) باغ کی کلیاں

لطف کا ساماں عطر بداماں

رنگتِ ندرت، ندرتِ رنگت عشرتِ نزہت، نزہتِ عشرت

لذتِ نگہت، نگہتِ لذت ساغرِ فرحت، جامِ مسرت

گلشنِ فطرت بے گلچیں میخانۂ فطرت بے ساقی تھا

(۴)

پاسِ حمیّت غیرتِ ملّت
حسِّ شرافت خلق و مروّت
جوشِ طبیعت، فکر و تامل زورِ خطابت، زورِ تخیّل
شیوہ جرأت، خوئے تحمّل نذرِ تجاہل، وقفِ تغافل
بے چشم الطافِ معلم درسِ حقیقت بے معنی تھا

شورش پیہم (۵) کاوش باہم
دفترِ عالم درہم برہم
جوش پر آئی کاہلِ رحمت راز ہوا خود مائلِ شہرت
عشق نے کی نذر اپنی ودیعت حسن نے کی تفویض امانت
فطرت لائی چند عناصر بہرِ وجودِ خلقتِ شاعر

ارض و سما سے (۶) جو و خلا سے
اوجِ فضا سے موجِ ہوا سے
رقصِ کواکب، لرزشِ انجم مستیِ نغمہ، کیفِ ترنّم
طور کا شعلہ، برقِ تبسّم شورِ تلاطم، زورِ تصادم
گویا حشرِ مجسّم ہو کر دہر میں آیا یعنی شاعر

(۷)

حاصلِ فطرت حاملِ کلفت

مظہرِ قدرت پیکرِ الفت

نازشِ ہستی خلقتِ شاعر شورش و مستی فطرتِ شاعر

حسن پرستی ملتِ شاعر سیرِ دوعالم خلوتِ شاعر

غم کا مرقع، سوز سراپا، درد و الم کی دنیا شاعر

رہبرِ عالم (۸) قائدِ اعظم

نطقِ مجسّم حجّتِ محکم

نظمِ حقیقت کا یہ مقلّد رسمِ محبت کا یہ مجدّد

الفت کے قانون کا موجد ہادی، مہدی، مصلح، مرشد

حسنِ ازل کا ناظر شاعر، رازِ ابد کا ماہر شاعر

صنعتِ خالق (۹) رحمتِ واثق

مخبرِ صادق مصحفِ ناطق

آیۂ عرفاں کا یہ مبصّر جذبۂ انساں کا یہ مصوّر

الفت کے عنواں کا مقرّر فطرت کے قرآں کا مفسّر

درسِ جہاں بانی کا مدرّس، ملکِ خدا کا مدبّر شاعر

عرضِ امانت

(انا عرضنا الامانۃ کی تفسیر شاعر کی زبان سے)

ابھی کہ قدرت کی نگہتوں سے تمام دنیا مہک رہی تھی
ابھی کہ فطرت کے ساغروں سے شرابِ عرفاں چھلک رہی تھی
شعاعِ حسنِ ازل کا پرتو ہر ایک شے سے جھلک رہا تھا
ضیائے انوارِ سرمدی سے سوادِ عالم چمک رہا تھا
چہار سو تار ہائے سازِ ہوا میں نغمے مچل رہے تھے
فضا تھی مخمور جوش میں مستیوں کے چشمے اُبل رہے تھے
اُٹھی ہوئی تھی عروسِ رنگیں ادا کے رُخ سے نقاب گویا
وفور تھا کیفِ بیخودی کا برس رہا تھا شباب گویا
نظامِ ہستی کے ذرّے ذرّے پر ایک مستی سی چھا رہی تھی
کہ وجد میں روحِ آفرینش کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی
حسین تاروں میں رقص کرتی تھی لرزشِ مستیِ ترنّم
لبوں پہ غنچوں کے کھیلتی تھی لطافتِ نزہتِ تبسّم

گلوں کی دوشیزہ نگہتوں میں تھی ایک روحِ حیات ساری
نمو کی رعنائیوں سے یعنی جوان تھی کائنات ساری
شفق کی رنگین بارشوں سے نکھر رہا تھا جمالِ دنیا
غرض کہ تھا کمسنی کا عالم حسین تھی پیر زالِ دنیا
کہ دفعتاً شاہدِ ازل کو "خبر نہیں" کیا خیال آیا
خفیف جنبش ہوئی لبوں میں ادائے رنگین سے مسکرایا
اُٹھیں یکایک جھکی نگاہیں، شکن لگی کھیلنے جبیں پر
رگوں میں اک موجِ خون دوڑی کچھ آئی سرخی رخِ حسیں پر
اُٹھا اک انگڑائی لے کے اور ہتیوں سے عطرِ حیات کھینچا
لطیف و پاکیزہ دستِ قدرت سے جوہرِ کائنات کھینچا
بیاضِ تخلیق کے ورق پر پھر ایک نقشِ حسیں بنایا
رُبابِ ہستی کے پردہ ہائے لطیف پر ایک راگ گایا
فضائے تقدیس میں جو گونجا تھا نغمۂ سازِ آفرینش
وہ دستِ قدرت میں بن گیا آ کے اک گلِ نازِ آفرینش
حریمِ عصمت سے جلوہ آرا ہوئی عروسِ بہارِ فطرت
وہ حورِ دنیا، وہ روحِ امکان، نشاطِ دوراں، نگارِ فطرت

شباب کا شعلۂ مجسم، وہ حسن و ناز و ادا کی دیوی
وہ پیکرِ مستیِ ترنم، حجابِ شرم و حیا کی دیوی

جمیل چہرے پہ نورِ ایماں، شریر آنکھوں میں کفرِ عریاں
لبوں میں آبِ حیات پنہاں، فسونِ رفتار حشر ساماں

صدا میں زورِ صدائے امین، جمال سے شمعِ طور روشن
کنارِ رنگیں میں جانِ گلشن، سرورِ صد میکدہ بدامن

ادا سے اُس نے فلک کی جانب جو مسکرا کر نگاہ ڈالی
حسین تارے لرز گئے اور مسکرا کر نظر چُرا لی

کرشمۂ حسن اسکو کہئے کہ زور تھا قوتِ نظر کا
سفید منہ پڑ گیا فلک پر لطافتِ نزہتِ سحر کا

حریفِ رنگینیٔ گلستاں جو چرخ پر غازۂ شفق تھا
نظارۂ روئے دلنشیں کے اثر سے اُسکا بھی رنگ فق تھا

ملائیں خورشید نے نگاہیں مگر بڑھی خیرگی نظر کی
جھک اُٹھی نقشِ سجدۂ پائے نازنیں سے جبیں قمر کی

یہاں سے مایوس ہو کے اُس نے شگفتہ باغوں کے سمت دیکھا
بہارِ گلشن کا رخ وہاں بھی عرق سے شرمندگی کے تر تھا

اُبھار سبزہ کا مضمحل تھا، نکھار پھولوں کا منفعل تھا
لبوں پہ کلیوں کی تھی خموشی، چمن میں جو نخل تھا خجل تھا
وہ زلفِ مشکیں کی مست نکہت، خرام کی شوخیاں قیامت
ہوئی پریشاں گلوں کی خوشبو، صبا کی ہر چال میں ندامت
حرارتِ گرمیِ تبسم، حلاوتِ خوبیِ تکلّم
چھپا رہا کیف موجِ مے میں، نہاں ہوا ساز میں ترنم
غرض نہ آسودگی کے قابل مقام کا انتخاب ٹھہرا
اس امتحاں میں غریب فہمیؔ کا دل فقط کامیاب ٹھہرا

ابھی وہ شاعر کے دل کے اندر رُبابِ فطرت بجا رہی ہے
خیال کے ہر عمق میں بیٹھی ہوئی وہی راگ گا رہی ہے
فضائے عالم پہ چھا رہا ہے وہی ترنم سحاب بن کر
برس رہے ہیں تمام دنیا پہ مست نغمے شراب بن کر
اُنھیں کی رنگین بارشوں سے حسین ہے کائنات ساری
شگفتگی ہے اُنھیں کے دم سے جواں ہیں حسیات ساری

تنزیلِ شعر

چھوٹا سا اِک مکاں ہے، آراستہ، مصفّا　　اور اُس مکان میں ہے اک نوجوان تنہا

چینِ جبیں سے ظاہر کچھ خود ربودگی ہے　　ہونٹوں سے بھی نمایاں جنبش خفیف سی ہے

ہے بےخبر وہ ایسا کچھ کھو گیا ہو جیسے　　خاموش اور جیسے بُت ہو گیا ہو جیسے

فکرِ سخن میں اُس کی ڈوبی ہوئی نظر ہے　　اک ہاتھ میں قلم ہے اک ہاتھ منبر پر ہے

مسرور ہے تصور، مصروف ہے تامّل　　آنکھوں کے سامنے ہے اک عالمِ تخیّل

وہ انتہائے شب میں تاروں کا جھلملانا　　بادِ سحر کا آکر سوتوں کو وہ جگانا

تاروں کی چھاؤں میں وہ رخصت کسی کا ہونا　　دامن کو تھام کر وہ پہروں کسی کا رونا

کچھ بےوطن مسافر اب گھر کو آ رہے ہیں　　مہمان رات بھر کے دنیا سے جا رہے ہیں

پیشِ نظر ہوئے پھر کچھ واقعاتِ عالم　　افسانہ ہائے ماضی ہونے لگے مجسم

نادر کا دور دیکھا، تیمور کا زمانہ　　دارا و جم کا گھنٹوں سنتا رہا فسانہ

لیلیٰ کی بزم دیکھی، مجنوں کا دشت دیکھا　　شیریں کی نہر دیکھی اور کوہکن کا تیشا

بزمِ عزا میں پہونچا، بزمِ سرور دیکھی
محفل میں زاہدوں کی شانِ غرور دیکھی

میکش کا جام دیکھا، مطرب کا چنگ دیکھا
رندوں کی انجمن میں ساقی کا رنگ دیکھا

عشرت کی رات دیکھی، فرقت کا روز دیکھا
الفت کا ساز دیکھا، الفت کا سوز دیکھا

شادی کسی کی دیکھی، دم ٹوٹنا کسی کا
سب مد و جزر دیکھا طوفانِ زندگی کا

آئی سکوتِ لب میں اب لرزشِ تبسّم
اُس جنبشِ خفی میں پیدا ہوا اک تلاطم

افکار کا اُٹھا اک طوفاں سا دل کے اندر
رقصاں ہوا قلم بھی اوراقِ منتشر پہ

ہر صفحہ اب مثالِ نیرنگیِ جہاں تھا
وہ جنبشِ قلم تھی یا دورِ آسماں تھا

اُن سادہ کاغذوں پر اب ہو رہے تھے ظاہر
دنیائے شاعری کے بے انتہا مناظر

قطعہ

افسانۂ شب، حکایتِ دوش
رودادِ جنونِ خود فراموش

تفسیرِ صحیفۂ محبت
ہر شعر ہے اک خطیبِ خاموش

تکمیلِ حسن

کہیں بحرِ تخیل کی روانی — کہیں جذباتِ دل کی ترجمانی
بہارستانِ فردوسِ مناظر — نگارستانِ الفاظ و معانی

حسنِ بے پروا ابھی محوِ خود آرائی نہ تھا — یعنی ابتک واقفِ آئینِ عنائی نہ تھا
بیخودی اطوار میں، انداز میں وارفتگی — ذوقِ خود بینی نہ تھا، احساسِ خود رائی نہ تھا
دستِ مشّاطہ سے نامحرم ابھی تھی سادگی — زلف کو شانہ سے فرمانِ شناسائی نہ تھا
غازۂ رُخ تھی نہ ابتک سُرخیِ رنگِ شباب — عکسِ رنگیں سے ابھی ناآشنا آئینہ تھا
تھا ابھی لب تک نہ تمکینِ تبسّم باریاب — بیقراری کو ابھی اذنِ شکیبائی نہ تھا
بے تکلف ہر ادا، بیساختہ طرزِ خرام — سُرمگیں انداز میں اعجازِ گویائی نہ تھا
وہ نگاہیں بے محابا اور نظریں بیحجاب — دل ابھی تک آشنائے خوفِ رسوائی نہ تھا
قوتوں سے اپنی واقف تھا نہ حسنِ سحر کار — کفر غارتگر کو اذنِ کارفرمائی نہ تھا
دعوتِ ذوقِ خلش نیچی نگاہوں میں نہ تھی — آستانِ ناز مانوسِ جبیں سائی نہ تھا
حسن کے آغوش میں تھا اک جہانِ رنگ و بو — اور خود وہ بے خبر اپنا تماشائی نہ تھا

حائلِ دوشیزگی تھی نزہتِ صبحِ شباب
تشنۂ مضراب تھے گویا ابھی تارِ رباب

اُس طرف تھا گرم دربارِ خدائے حسن و عشق
صدرِ بزمِ ناز تھا خود کبریائے حسن و عشق

ہو رہی تھی گفتگو آئینِ الفت پر ابھی
بحث میں آنے لگا تھا ماجرائے حسن و عشق

حسن کے سارے نمایندے محبت کے وکیل
حاضرِ دربار تھے سب آشنائے حسن و عشق

قول تھا اِن کا کہ ہم ہیں زندہ دارِ حیات
عالمِ امکاں میں ہم سے ہے بقائے حسن و عشق

اہلِ دل، اہلِ نظر، کہتے تھے اے پروردگار
کیوں گرفتِ معدلت میں ہے خطائے حسن و عشق

عصمتِ نظارہ و آئینِ الفت کی قسم
اک حیاتِ مضطرب ہے، مدعائے حسن و عشق

بول اُٹھا تردید میں اک بوالہوس عصیاں پرست
میں گناہوں کو سمجھتا ہوں بنائے حسن و عشق

سُن کے سب لوگوں کے دعوے اور اُن پر اعتماد
دفعتاً گویا ہوا فرمانروائے حسن و عشق

حُسن کی اب ہے خود آگاہی ہمیں مدِّ نظر
کون تم میں ہو سکے گا رہنمائے حسن و عشق

جلوہ گاہِ ناز قدرت سے اُٹھا نقابِ حسن
منظرِ فطرت سے لے کر عکس ہائے حسن و عشق

اس عبارت پر ہوئے گو دوسرے چیں بر جبیں
مل گئی لیکن اُسے منظوریِ حسن آفریں

چن لئے اُس کی نگاہِ شوق نے بے اختیار
نازشِ تخلیق تھے دنیا میں جو نقش و نگار

لرزشِ بزمِ کواکب، جنبشِ موجِ نسیم
غازۂ رنگِ شفق، گلگونۂ روئے بہار

خندۂ انوارِ صبح و گریۂ رنگینِ شام
بارشِ رنگِ لطافت، سازشِ لیل و نہار

اشتراکِ نور و ظلمت، امتزاجِ رنگ و بو
انبساطِ غنچہ و گل، اختلاطِ برگ و خار

وسعتِ دامانِ صحرا، ندرتِ صحنِ چمن
سبزہ زار و جوئبار و کوہسار و آبشار

یہ مناظر اور پھر اک پیکرِ حسن و شباب
نشۂ صہبا بدوش و نزہتِ گل درکنار

عارضِ گلگوں کی رنگت سے فضائیں غرقِ خون
گیسوئے مشکیں کی نگہت سے ہوائیں مشکبار

مست و سرخ آنکھوں کی گردش سے زمانہ مستِ مے
ہر نگاہِ شوخ کی لغزش سے دنیا بے قرار

اک تحیّر، اک تبختر، اک متانت، اک غرور
ایک شوخی، اک شرارت، ایک مستی، اک خمار

یہ جوانی کا مرقع، یہ نمونہ، یہ شبیہ
حسن کی سرکار میں تھا ہدیہ صورت نگار

لیکن اس کی داد تھی، یا شکریہ تھا، یا اثر
ایک ہلکا سا تبسم، اک اچٹتی سی نظر

اب اٹھا اُس انجمن سے مطربِ محشر خروش
دست بر دف، چنگ در کف، نے بلب، بربط بدوش

اک قیامت دربغل ہر جنبشِ تارِ رباب
ہر صدائے ساز میں طوفانِ صد محشر بجوش

جس کے زیر و بم میں پنہاں مدّ و جزرِ زندگی
جس کے نغمے جنّتِ احساس یا فردوسِ گوش

وہ مغنی اور وہ اُس کی نوائے آتشیں
اضطرابِ دل کی دعوت، رخصتِ تمکین و ہوش

وجد میں ہر ذرّہ ذرّہ، رقص میں کل کائنات
مستیوں کے جوش سے دنیا کی دنیا میفروش

مست دریا، مست چشمے، مست باغ، دست راغ
رعد ساکت، برق ساکن، آہ چپ، نالے خموش

آسماں مسحورِ نغمہ تھا، زمیں معمورِ کیف
سب فضا مخمور تھی، ساری ہوائیں بادہ نوش

ہر صدا میں فطرتِ دوشیزگی تھی بے نقاب
ہر ترنم جذبۂ وارفتگی کا پردہ پوش

بیخودی تھی، جذب تھا، سرمستیاں تھیں، وجد تھا — لذتِ امروز میں گم کلفتِ فردا و دوش
بدلیاں لہرا کے اٹھیں، بجلیاں تھرا گئیں — ہر سرودِ سوز تھا تسخیر کُن، تاثیر کوش

حسن کا احساس لیکن اک نگاہِ برق پاش
ایک انگڑائی بظاہر، ایک مخفی ارتعاش

امتحاں گاہِ محبت میں ہوا آخر رواں — حسن کا نقاد یعنی شاعرِ رنگیں بیاں
لامکاں سے بھی فزوں تر جس کی پروازِ نظر — اور لامحدود جس کی فکر کی گہرائیاں
رفعتِ تخئیل جس کی عرشِ اعظم سے بلند — دل کے ہر گوشہ میں جس کے وسعتِ کون و مکاں
محرمِ حسنِ ازل، اسرارِ فطرت کا امیں — مظہرِ سازِ محبت، مرکزِ سوزِ نہاں
شورشِ جذباتِ حسن و عشق جس پر آشکار — جوشِ ہیجانِ شباب و آرزو جس پر عیاں
نوبہارِ گلشنِ فردوس تھا جس کا دماغ — آبشارِ کوثر و تسنیم تھی جس کی زباں
جس کا ہر ہر قول، شرحِ آرزو، تفسیرِ درد — جس کا ہر ہر لفظ، حسن و عشق کی اک داستاں
حسن کا نباض، نفسیات کا ماہر ادیب — کھینچ لایا نظم میں روحِ بہارِ گلستاں
وہ نظائر استعارے اور تشبیہ و مثال — اک مکمل حسن کا منظر، جوانی کا سماں
جنبشِ نوکِ قلم سے روحِ تازہ پھونک دی — ہو گیا سارا نظامِ زندگی گویا جواں

حسیاتِ حسن لیکن اک ادائے شرمگیں
یا حجاب آلودہ آنکھیں، یا عرق پرور جبیں

الغرض جب ہو چکے ناکام سب اہلِ ہنر　　ہو گیا مامور تب اک عاشقِ شوریدہ سر
وہ کہ جس کے دیدۂ گریاں کا طوفاں الاماں　　وہ کہ جس کے نالۂ سوزاں کی شورش الحذر
وہ جو اطمینان سے کچھ فطرتاً نا آشنا　　وہ کہ جس کا ہر سکوں بھی نسبتاً نامعتبر
خود بخود جس کے تڑپ اُٹھنے سے لرزاں کائنات　　پے بہ پے جس کے فغاں سے زلزلہ افلاک پر
خشک لب، وحشی نگاہیں، رنگ فق، چہرہ اُداس　　زرد رُخ، گیسو پریشاں، سرد آہیں، چشم تر
درد کی شدت سے ایسا بدحواس و بیقرار　　دل کبھی ہاتھوں سے دابے اور کبھی تھامے جگر
یوں ہی جا پہونچا بحالِ زار و چشمِ اشکبار　　بارگاہِ حسن میں وہ سر بکف المختصر
دفعتاً پھر حسنِ بے پروا کے آ کر روبرو　　آہ کی، اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر
اے معاذ اللہ، وہ اک آہ تھی یا درسِ حشر　　ہو گیا سارا نظامِ زندگی زیر و زبر
سن کے اُٹھا حسن اور دیکھا نگاہِ ناز سے　　مشترک تھا جس میں قہر اور رحم دونوں کا اثر
زلف خم کھانے لگی، ابرو پہ بل آنے لگے　　عشوہ ہائے جاں ستاں لینے لگے دل کی خبر

حسن اب مغرور و خود بین و خود آرا ہو گیا
یوں اُسے احساس اپنی قوتوں کا ہو گیا

نگاہِ اوّلیں

(۱)

وہ دن بھی یاد ہیں کہ جن میں کوئی دلکشی نہ تھی
خروشِ زندگی نہ تھا، بہارِ زندگی نہ تھی

فسردگی حیات میں
جمود حسیات میں
نشاط کچھ نہ دن میں تھا
نہ کچھ سرور رات میں
سکوت میں نہ کیف تھا
نہ تازگی تھی بات میں
اُداسیاں محیط تھیں
فضائے کائنات میں

نظر میں باغِ دہر کی کلی کلی اُداس تھی
جہان ہی اُداس تھا کہ زندگی اُداس تھی

جو عزم تھا وہ منفعل
جو فکر تھی وہ مضمحل
نہ جوشِ قوتِ عمل
نہ کوئی رائے مستقل
نہ رفعتیں خیال میں
فسادگی سرشتِ دل
امنگ تھی نہ ولولے
نہ جذبِ شوق مشتعل

نظامِ حسیات میں تباہ کُن سکون تھا
شبابِ عمر تھا مگر رگوں میں سرد خون تھا

ہجومِ یاس اس قدر　　کہ الاماں والحذر
مزاج میں وہ برہمی　　کہ منتشر دل و جگر
طبیعتِ فسردہ تھی　　شگفتگی سے بےخبر
حیاتِ بے مزہ کی تھی　　یہ روئیداد مختصر

سکونِ دل میں دفعتاً اک اضطراب ہوگیا
اُٹھی نقاب زندگی میں انقلاب ہوگیا

(۲)

خجل تھا مہرِ نیمروز حسنِ بے مثال سے
نظر لرز اُٹھی کسی کی تابشِ جمال سے

نگاہِ نازِ اولیں　　سرورِ خاطرِ حزیں
اُٹھے تو شعلہ در بغل　　جھکے تو برقِ آتشیں
وہ ایک صوتِ بے نوا　　وہ ایک حشرِ دلنشیں
وہ حسن کا صنم کدہ　　وہ سحرِ کفر آفریں

وہ نشہ جس سے منفعل تھیں مستیاں شراب کی
وہ شعلہ جس سے مشتعل تھیں شوخیاں شباب کی

وہ جوشِ دل کی ناخدا! وہ ذوقِ عشق کی خدا
شریر اور شرمگیں سکوں شکن، جنوں فزا
نویدِ کاوش و خلش پیام اضطراب کا
جہانِ حسن و عشق میں وہ ترجمانِ ماجرا

لئے ہوئے متاعِ کیف دامنِ بہار میں
نشاطِ رنگ و بو کا ایک میکدہ کنار میں

اک آگ سی لگا گئی جدھر وہ عشوہ زا گئی
رگوں میں مثلِ موجِ خون وہ شعلہ خو سما گئی
دلوں کے خفتہ ولولے وہ چھیڑ کر جگا گئی
ہزار حشرِ آرزو وہ فتنہ گر اٹھا گئی

غرض شباب زندگی میں ایک جوش آگیا
تمام کائناتِ دل کو یعنی ہوش آگیا

تصویرِ دوست

اے انیسِ خاطرِ بیتاب! اے جانِ قرار!
اے سراپا جلوہ زارِ نور! اے تصویرِ یار!

اے خریدارِ متاعِ صبر! اے وحشت فروش!
اے نمودِ حسنِ رعنا، پرتوِ روئے نگار!

تو فروغِ جلوۂ دلدار کی تنویر ہے
مرکزِ جذب و کشش ہے، قوتِ تسخیر ہے

کائناتِ حسن ہے تو اور دنیائے شباب
کون کہتا ہے کہ تو اک کاغذی تصویر ہے

مست ہے کیفیتِ عکسِ رُخِ دلبر سے تو
شوخ ہے رنگینیٔ لعلِ لبِ "احمر" سے تو

اے کہ آئینہ ہے تو رنگ و جمالِ دوست کا
سب ادائیں سیکھ آئی ہے کسی کافر سے تو

آ، ادھر آ، پوچھ لے مجھ سے کہ کیا کیا تجھ میں ہے
آرزوئیں تجھ میں ہیں شوق و تمنا تجھ میں ہے

میری امیدوں کا مرکز، میرے ارمانوں کا حشر
مختصر یہ ہے کہ میرے دل کی دنیا تجھ میں ہے

دل ہے مجھ میں اور میری حسرتِ دل تجھ میں ہے
مجھ میں جو دریا ہے، اُس دریا کا ساحل تجھ میں ہے

تیرے پہلو میں مسیحا بھی ہے، قاتل بھی مرا
یعنی میری زندگی اور اُس کا حاصل تجھ میں ہے

اے شبیہِ دوست! گو اک پیکرِ بیجاں ہے تو
مایۂ راحت، سکونِ شوق کا ساماں ہے تو

کیوں نہ آنکھوں سے لگاؤں کیوں جگہ دل میں نہ دوں
ایک ظالم کا مرقع، ایک کا احساں ہے تو

اے کہ عنوانِ قیامت تیری قامت پہ نثار
شوخیاں سو بار تیری اس متانت پر نثار

اِن غلط انداز نظروں سے مری جانب نہ دیکھ
ہاں مری جانِ حزیں اس طرزِ نخوت پر نثار

اے نشاطِ آرزو! اے محشرستانِ خموش
دشمنِ صبر و سکوں! غارتگرِ ایمان و ہوش

اُٹھ، مجھے پامال کر دے پھر خرامِ ناز سے
پھر تبسم سے دلِ محزوں میں پیدا کر خروش

پھر اُسی تیور سے، اے سفاک! ہاں اک وار اور
بجلیاں دل پر گرا اے شوخیِ گفتار! اور

جنبشِ لب سے مگر تازہ ہوں پھر زخمِ کہن
"یہ تو ہوگا ہی" اُسی انداز سے اکبار اور

دعوتِ ذوقِ نظر ہے گو خدائی کے لئے
سر بکف میں بھی ہوں قسمت آزمائی کیلئے

کیا بساطِ جان و دل، ایمان و صبر و ہوش کیا
نذر ہیں کونین تیری رونمائی کے لئے

تفسیرِ کائنات

یہ غمکدۂ عالم

حسرتکدۂ ماتم

زندانِ مصیبت ہے ساماںِ مصیبت ہے

طوفانِ مصیبت ہے پایانِ مصیبت ہے

سرمایۂ عشرت ہے خود برقِ بلا پرور سرچشمۂ راحت ہے سیلابِ فنادر بر

ہنگامۂ شور و شر گہوارۂ صد محشر

دوزخ ہے کہ دنیا ہے

(۲)

لیکن یہ توہّم ہے

حرماں کا تلاطم ہے

کیا خشک تخیّل ہے کیا پست تامّل ہے

کیا سست توکّل ہے کیا خوب تغافل ہے

اِس دعوئے باطل پر جو لوگ کہ مائل ہیں دنیا کی کشاکش میں گم کردۂ منزل ہیں

آوارۂ ساحل ہیں محرومیِ کامل ہیں

اُن کی یہی دنیا ہے

(۳)

یہ گلکدۂ ہستی

یہ خمکدۂ مستی

یہ انجمنِ قدرت یہ شعبدۂ فطرت

یہ آئینۂ صنعت یہ جلوہ گہِ ندرت

تخلیق کی نازش کا اک منظرِ رنگیں ہے خالق کی نوازش کا اک منظرِ زرّیں ہے

اک پیکرِ تزئیں ہے اک جلوۂ سیمیں ہے

اک حسن کی دنیا ہے

(۴)

یہ جامِ افق پرخوں

یہ رنگِ شفق گلگوں

یہ مہرِ تپش درپہ یہ ماہ ضیا گستر

نکھرے ہوئے یہ اختر بکھرے ہوئے یہ گوہر

موجوں میں شعاعوں کی چھٹکے ہوئے یہ تارے وہ نور کی لہریں ہیں، یہ نور کے فوّارے

اسرار کے سیپارے انوار کے طیّارے

یہ نور کی دنیا ہے

(۵)

جو پھول مہکتے ہیں

غنچے جو چٹکتے ہیں

ہر صحنِ گلستاں میں ہر دشت و بیاباں میں

کہسار میں، میداں میں اشجار کے داماں میں

ہوارے ہیں یہ گویا نیرنگی و نزہت کے یا حسن کے آئینے، ساغر ہیں لطافت کے

میخانے ہیں نکہت کے پیمانے ہیں فرحت کے

یہ عطر کی دنیا ہے

(۶)

یہ طائرِ خوش الحال

یہ مستِ نوا چڑیاں

یہ سازِ حقیقت ہیں آوازِ حقیقت ہیں

اک رازِ حقیقت ہیں غمّازِ حقیقت ہیں

پتوں کی ہم آہنگی، نغموں کی یہ عریانی شاخوں کے لچکنے میں کیفیتِ وجدانی

اک لذتِ روحانی راحت کی فراوانی

نغموں کی یہ دنیا ہے

(۷)

دنیائے تبسم ہے

معمورِ ترنم ہے

مسرور صدائیں ہیں مسحور فضائیں ہیں

مخمور ہوائیں ہیں گھنگھور گھٹائیں ہیں

آ، اور نظارہ کر، اُٹھ گوشہ سے عزلت کے عشرت کے کرشمے ہیں، جلوے ہیں مسر

انعام ہیں قدرت کے احسان ہیں فطرت کے

جنت ہے کہ دنیا ہے

بارش

تاثیر طلب تھیں التجائیں رحمت بہ کنار تھیں دعائیں

اک بار گھٹا ہوئی نمایاں پہلو میں لئے ہوئے گلستاں

ہر قطرۂ آب گل بہ دامن ہر بوند کی کف میں روحِ گلشن

ہر موج ہوا بہار در بر اک عالم سبزہ زار در بر

سرچشمۂ جوئبار بر دوش سرمایۂ آبشار بر دوش

میخانۂ رنگ و بو بغل میں ہنگامۂ آرزو بغل میں

شورش سے فضا ہوئی ہم آغوش
قلزم سے خلا ہوئی ہم آغوش

پھر جھوم کے وہ سحاب برسا
اترائے چمن شباب برسا

یوں رحمت کردگار برسی
پانی کے عوض بہار برسی

دنیا میں ہوئی نمو کی بارش
گلزار پہ آبرو کی بارش

عشرت برسی ہے بن کے پانی
گلشن پہ برس پڑی جوانی

رُودادِ چمن

پُر لطف کل چمن میں چھایا ہوا سماں تھا
وہ گلستاں نہیں تھا اک تختۂ جناں تھا

بادِ صبا روش پر اٹھلاتی پھر رہی تھی
سبزے پہ لوٹتی تھی پتوں کو چھیڑتی تھی

مستانہ وار شاخیں جھک جھک کے جھومتی تھیں
آپس میں مل رہی تھیں رُک رُک کے جھومتی تھیں

بادِ نسیم جھولا گویا جھُلا رہی تھی
اک نو دمیدہ گل کو اُس پر سُلا رہی تھی

جب شاخِ گل پہ گل کو مصروفِ خواب پاتی
جھولا کبھی جھُلاتی، لوری کبھی سناتی

کوئی کلی چٹک کر گر ہوشیار کرتی
جھونکوں سے یہ تھپکتی اور اُسکو پیار کرتی

اک موجِ سبز اُٹھتی سبزہ جو لہلہاتا
بیٹھا ہوا روش پر میں اُس کا لطف اُٹھاتا

ٹھنڈک پہنچ رہی تھی کیا کیا مری نظر کو
تسکین دے رہا تھا اپنے دل و جگر کو

اُڑتا ہوا چمن میں ناگاہ ایک بھونرا
موج ہوا پہ رقصاں پھولوں کے پاس پہونچا
دوشِ نسیم پر وہ پہلے تو تھرتھرایا
پھر ایک راگ اُس نے دلکش سُروں میں گایا
یعنی میں اس جہاں میں ہوں دردمند ہستی
حصّے میں میرے آئی حسن و ادا پرستی
روزِ ازل سے گویا عاشق مزاج میں ہوں
دنیائے شاعری کا زرّین تاج میں ہوں
دیتے ہیں لوگ مجھکو زلفِ حسیں سے نسبت
چشم سیہ سے نسبت خالِ جبیں سے نسبت
پیدا ہوا جہاں میں ہیں تشنہ کامِ الفت
میرے لئے مگر ہیں یہ پھول جامِ عشرت
مے نوش ہوں اِنھیں کا میخوار ہوں اِنھیں کا
خواہاں ہوں مدتوں سے میں لطفِ انگبیں کا
گلشن میں ڈھونڈھتا ہوں صحرا میں ڈھونڈھتا ہوں
پھولوں کی جستجو میں مدت سے پھر رہا ہوں
کس واسطے بنی ہے بلبل رقیب میری
دشمن ہوئی ہے آخر کیوں بدنصیب میری
یہ کہہ کے اُس نے چاہا اب گل کا ہمنشیں ہو
دستِ ہوس بڑھا کر سیرابِ انگبیں ہو

بلبل نے جب سنا یہ لاف و گزاف اُس کا
اور فعل اُس نے دیکھا بالکل خلاف اُس کا
دوڑی ہوئی وہ بیکس نزدیک اُس کے آئی
بولی کہ او ستمگر اس درجہ خودستائی
تو مطلب آشنا ہے تو ننگِ عاشقی ہے
ایمان سے بتا تو رسمِ وفا یہی ہے

آج ایک گل کا عاشق، کل دوسرے کا جویا
او خود غرض بھرم یوں الفت کا تو نے کھویا

گل سے تجھے غرض کیا، گلشن سے واسطہ کیا
مطلب کا آشنا ہے، مطلب کا تو ہے شیدا

حد سے بڑھا ہے تیرا جوشِ ہوس پرستی
پھر اس پہ کہہ رہا ہے "ہوں دردمند ہستی"

اب مجھسے سُن ستمگر میرا بیانِ الفت
میری حکایتِ غم اور داستانِ حسرت

محرومِ آرزو ہوں، ناکامِ آرزو ہوں
دنیائے عاشقی میں بدنامِ آرزو ہوں

مطلب نہیں ہے کوئی صورت کی ہوں میں شیدا
دل کی لگی زباں سے ہو جاتی ہے ہویدا

سب اس خطا پہ مجھسے بیزار ہو گئے ہیں
اک جان کو ہزاروں آزار ہو گئے ہیں

گلچیں الگ عدو ہے، صیاد الگ ہے دشمن
ہے فکر باغباں کو توڑے مرا نشیمن،

یہ میرے چار تنکے دل میں کھٹک رہے ہیں
اللہ، کیسے کیسے میں نے ستم سہے ہیں

لے دیکھ وہ نشیمن اُجڑا ہوا پڑا ہے
میری طرح سے تو بھی بے خانماں ہوا ہے؟

میری طرح سے تیرے نوچے ہیں پر کسی نے
گھنٹوں تجھے رُلایا کب رنجِ بیکسی نے؟

انصاف سے بتا دے، ایمان سے بتا دے
جھیلے ہیں تو نے بھی کچھ قیدِ قفس کے صدمے

ہر دکھ کو جس نے جھیلا وہ غم نژاد میں ہوں
وہ دردمند میں ہوں، وہ نامراد میں ہوں

میدانِ عشق میں آ، گر تجھکو حوصلہ ہے
بے وجہ کیوں یہ باتیں مجھ سے بنا رہا ہے

بھونرے سے بن نہ آیا جب کچھ جواب اُس کا
چپکے سے چل دیا وہ سنکر عتاب اُس کا

گلشن میں بیٹھے بیٹھے فہمی بھی تھک گیا تھا
اک داغِ تازہ لے کر واپس وہ گھر کو آیا

تمنائے قفس

چمن ہو چکا ہو جو تاراجِ صرصر
قفس میں ہوں مرغانِ خوش نغمہ اکثر
گرے آشیانوں پہ بجلی برابر
نہ ہو سبزۂ و گل کا دلچسپ منظر
کرے کیا گلستاں میں پھر کوئی جا کر
اسیری ز پروازِ گلزار بہتر

میں کیا جا کے دیکھوں گلستاں کا عالم
کروں جا کے کس کس کا اللہ ماتم
نہ ہو طبعِ صیّاد مجھ سے جو برہم
تو کہہ دوں ادب سے میں باچشمِ پُرنم
رہائی سے بہتر اسیری ہی کا غم
بہ کنجِ قفس بال و پر می فروشم

واردات دل

تجھے یاد ہے اپنا بچپن بھی اے دل
ذرا دیکھ تو کیا سے کیا ہو گیا تو
عیاں تیری ہر بات سے سادگی تھی
بڑا خود ستا، خود نما ہو گیا تو
نہ پہلے یہ باتیں، نہ یہ شوخیاں تھیں
قیامت کا اب چلبلا ہو گیا تو
کبھی میرے پہلو میں ننھا سا دل تھا
بڑا کیا ہوا اک بلا ہو گیا تو

قیامت کی نیرنگیاں سیکھ لی ہیں
جوانی سے کیا آشنا ہو گیا تو

کبھی تجھکو بیتاب و بے صبر دیکھا
کبھی ضبط و صبر آزما ہو گیا تو

کبھی پارسائی کو رندی سے بدلا
کبھی رند سے پارسا ہو گیا تو

درِ میکدہ پر کبھی مست سے تھا
حرم میں کبھی جبہہ سا ہو گیا تو

کبھی ترچھی چتون کا گھائل ہوا ہے
کبھی محوِ ناز و ادا ہو گیا تو

کبھی ہم کو تعلیمِ اخلاق دے کر
ہمارے لئے رہنما ہو گیا تو

کبھی تجھ کو بے مہریوں کا گلا ہے
کبھی شکوہ سنجِ جفا ہو گیا تو

کبھی مردِ میدانِ تسلیم نکلا
کہ پابندِ صبر و رضا ہو گیا تو

کبھی بزدلی کی جھلک تجھ میں دیکھی
کبھی آپ ہی منچلا ہو گیا تو

کبھی تجھ میں نفرت کے جذبات دیکھے
کبھی خود بخود باخدا ہو گیا تو

کبھی اس قدر بے حسی تجھ میں پائی
کہ پتھر سے بھی کچھ سوا ہو گیا تو

کبھی تجھ میں جذبہ ہے حبِ وطن کا
کہ تائیدِ حق کی صدا ہو گیا تو

کبھی تو نے تعلیم دی حریت کی
کہ اپنے وطن پر فدا ہو گیا تو

ابھارا کبھی مذہبی جوش تو نے
ہمارا کبھی رہنما ہو گیا تو

غرض یہ تو تھی داستاں تیری اے دل
مجھے کیا جو کچھ ہو گیا ہو گیا تو

غضب تو یہ ڈھایا ہے فہمی پہ تو نے
کہ اس بے کسی میں جدا ہو گیا تو

فردوسِ تخیل

اک روز چلا آتا جو میرے مکاں تک وہ
اک چین سا آ جاتا یوں دل تو نہ گھبراتا

گر اتنی عنایت بھی مجھ پر کبھی ہو جاتی
کیوں خونِ جگر پیتا، کیوں لختِ جگر کھاتا

ہاں مجھ کو مری قسمت یہ دن جو دکھا دیتی
احباب کے حلقہ میں مغموم نہ کہلاتا

پھولا نہ سماتا میں جامہ میں مسرت سے
صدقے دل و جاں کر کے میں گھر میں اُسے لاتا

پھر جوشِ مسرت سے گر ہوش بجا رہتے
میں دل میں اُسے رکھتا سر آنکھوں پہ بٹھلاتا

اِک ایک سنا دیتا پھر ہجر کے افسانے
پھر داغِ جگر اُسکو دل کھول کے دکھلاتا

کہتا کہ اثر دیکھا یہ جذبۂ الفت کا
تو عمر بھر اے ظالم ورنہ مجھے ترساتا

گو چیں بہ جبیں ہوتا وہ لاکھ خفا ہو کر
شکووں سے مگر اپنے ہرگز نہ میں باز آتا

یاد اُس کو دلا دیتا جب عہدِ گذشتہ میں
وہ اپنی جفاؤں پر کس طرح نہ شرماتا

وہ میر کا مطلع بھی ہے یاد تجھے فہمی
کب ہوش بجا رہتے وہ لطف جو فرماتا

اب کہتے ہیں یہ کہتے یہ کہتے جو یار آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

درسگاہ

عزمِ انسانی

دل میں اگر کشاکشِ امید و بیم ہے
سمجھو کہ کفرِ یاس سے حالت سقیم ہے
ایمان اک یقین ہے، اسلام اک عمل
دیں ہمتِ بلند ہے، عزمِ صمیم ہے

(۱)

حقیقت ہے کہ جب انسان کوئی عزم کرتا ہے
امید و یاس کی پیہم کشاکش سے گذرتا ہے
کبھی مجروح بیمِ یاس سے امید ہوتی ہے
کبھی امید ہی سے یاس کی تردید ہوتی ہے
کبھی تو جرأت و ہمت کا شعلہ سا بھڑکتا ہے
کبھی رُخ زرد پڑجاتا ہے پہروں دل دھڑکتا ہے
قدم راہِ عمل میں تھرتھراتا ڈگمگاتا ہے
بنا کر خود ہی نقشِ آرزو اکثر مٹاتا ہے
لرز اُٹھتی ہے ہر امید ناکامی کی ہیبت سے
بدل جاتی ہے تخییلِ مسرت رنجِ حسرت سے
وہ ہو جاتا ہے آخر رفتہ رفتہ وقفِ یاس ایسا
شکستِ آرزو سے خوگرِ خوف و ہراس ایسا
کہ دل میں سرد پڑ جاتے ہیں سارے حوصلے دل کے
دبا دیتی ہے اُس کی بے دلی سب ولولے دل کے
خرد موہوم اندیشوں سے جب مغلوب ہوتی ہے
عوض تعمیر کے تخریب ہی مرغوب ہوتی ہے
ہجومِ نامرادی اس قدر پامال کرتا ہے
کہ انسان آپ ہی اپنی تمناؤں سے ڈرتا ہے

دلِ مایوس پھر لطفِ مسرت پا نہیں سکتا — وہ ننگِ زندگی جینے کی لذت پا نہیں سکتا
زمانہ کے حوادث سے جو دامن کو بچاتا ہے — زمانہ نقشِ باطل کی طرح اُس کو مٹاتا ہے
یہ دنیا امتحاں ہے اس میں جو ناکام رہتا ہے — نہ وہ دنیا میں رہتا ہے نہ اُس کا نام رہتا ہے

(۲)

وہی جب آتشیں جذبات سے مسحور ہوتا ہے — عزائم مسکراتے ہیں، یقیں مسرور ہوتا ہے
حیاتِ تازہ کا پیغام ہر تخیل لاتی ہے — اُمنگ اُٹھ اُٹھ کے دل کو چھیڑتی ہے گدگداتی ہے
مسلسل ولولوں کا دل میں جب ہیجان ہوتا ہے — تو بحرِ آرزو میں جوش کا طوفان ہوتا ہے
تڑپ جاتا ہے دل رہ رہ کے جب ارماں مچلتے ہیں — تمناؤں کے چشمے مست ہو ہو کر اُبلتے ہیں
جو لاکھوں شعلہ ساماں حسرتیں گھرتی ہیں سینے میں — ہزاروں بجلیاں سی کوندتی پھرتی ہیں سینے میں
رگوں میں دوڑتی ہے موجِ خوں تیور بدلتا ہے — تنفس تیز ہو جاتا ہے دل ہاتھوں اُچھلتا ہے
تصور سے مآلِ کار کے محظوظ ہوتا ہے — عمل مقصود ہوتا ہے، عمل ملحوظ ہوتا ہے
کسی خوف و خطر کے سامنے وہ جھک نہیں سکتا — قدم مردانہ وار اُٹھتا رہے گا رُک نہیں سکتا
اُسے ناکام برگشتہ مقدر کر نہیں سکتا — وہ جورِ گردشِ ایام سے بھی ڈر نہیں سکتا
ربابِ شوق کو مضراب آفاتِ زمانہ میں — مصائب توسنِ ہمت کو گویا تازیانہ ہیں
موانع اُس کی ناکامی کا باعث ہو نہیں سکتے — مزاحم کامیابی میں حوادث ہو نہیں سکتے
وہ دریا کا تموّج ہے کہ جب بہنے پہ آتا ہے — تو جو شے سدِّ رہ ہوتی ہے اُسکو بھی بہاتا ہے

وہ اک سیلاب ہے رُکنے میں دُنا زور کرتا ہے
زمانہ جس قدر اُس کو دباتا ہے، اُبھرتا ہے

وہ اپنے ہاتھ سے خود اپنی قسمت کو بناتا ہے
مواقع ڈھونڈھتا ہے جب عمل دشوار پاتا ہے

وہ اپنی کوششوں پر راحتیں قربان کرتا ہے
وہ اپنی مشکلوں کو آپ ہی آسان کرتا ہے

وہ مکروہاتِ عالم سے پریشاں ہو نہیں سکتا
وہ نادم ہو نہیں سکتا، پشیماں ہو نہیں سکتا

نتائج کیوں نہوں دلخواہ جب ہو عزمِ انسانی
رہینِ منتِ تدبیر و کوشش ہائے امکانی

وہ آخر کار بابِ فتح و نصرت باز کرتا ہے
یہی وہ شخص ہے جس پر زمانہ ناز کرتا ہے

جو اُس کی زندگی ان کارناموں میں گذرتی ہے
تو اُس کی ذات پر انسانیت بھی فخر کرتی ہے

فنا کے بعد بھی وہ زندۂ جاوید ہوتا ہے
وہ نسلوں کے لئے بھی قابلِ تقلید ہوتا ہے

یہ وہ قانونِ قدرت ہے جو ٹل سکتا نہیں ہرگز
بدل جائے زمانہ یہ بدل سکتا نہیں ہرگز

(۳)

اگر تاریخ کے اوراق اُلٹو گے تو پاؤ گے
مثالیں ایک کیا ایسی ہزاروں دیکھ جاؤ گے

وہ تیموری تہوّر، جوشِ بابر، غزنوی تیزی
شکوہِ نادری، شانِ سکندر، عزمِ چنگیزی

بتاؤ کون تھے شاہانِ ابدالی و سامانی
غلام و خلجی و تغلق ہوں یا غوری و سامانی

غرض تاریخ میں جو خاندانی راج پاؤ گے
کہیں مورث، کہیں اولاد کو محتاج پاؤ گے

ہمیشہ بزدلی کو آسماں نیچا دکھاتا ہے
زمانہ عزم و ہمت کے قدم آگے بڑھاتا ہے

یہ فرمانِ خداوندی ہے، یہ آئینِ قدرت ہے
اسی کا نام سنت ہے، یہی رازِ مشیت ہے

بھی تاریخ دُہراتی ہے سارے واقعات اپنے
ابھی ماضی نے مستقبل کو سونپے ہیں نکات اپنے

ڑھی ہیں داستانیں تم نے لینن کی جسارت کی
بساط اُلٹی ہے جس نے زار کی شخصی حکومت کی

ہ سفلہ اور اُس کی جرأتِ رندانہ کیا کہنا
وہ نادر اور اُس کی ہمّتِ مردانہ کیا کہنا

ہے عزمِ قوی سے سطوتِ شاہی کی ناچاری
کہ تیغِ پہلوی ہے آج زیبِ تختِ قاچاری

و ہمت ہو تو کرتے ہیں سپاہی بھی جہاں بانی
ہے شمشیرِ کمالی قابضِ اورنگِ عثمانی

(۴)

فقط شاہی نہیں زیرِ اثر کچھ عزم و ہمت کے
کہ سکّے آج ہر شعبے پہ ہیں ان کی حکومت کے

قّق اور موجد ہوں، مورّخ یا مصنّف ہوں
وہ اہلِ صنعت و حرفت ہوں، شاعر ہوں مؤلّف ہو

فیں دونوں کے سب محتاج ہیں انکی ضرورت ہے
انھیں سے پیکرِ خاکی کی دنیا پر سیادت ہے

قیقت میں یہی انسان کو انسان بناتے ہیں
عناصر کو ہمارا تابعِ فرماں بناتے ہیں

فیں کا اختراعاتِ جدیدہ میں تجمّل ہے
انھیں کا انکشافاتِ قدیمہ میں توسّل ہے

ی بے پر کو اکثر آسمانوں پر اُڑاتے ہیں
یہی مشرق کی آوازوں کو مغرب میں سناتے ہیں

عانت سے انھیں کی برقِ سوزاں نے اطاعت کی
حمایت سے انھیں کی باد و باراں پر حکومت کی

عنایت سے انھیں کی کھُل گئے سب رازِ فطرت کے
انھیں نے کردیئے حل مسئلے سائنس و ہیئت کے

فیں سے ماہیت ہر چیز کی لوگوں نے پہچانی
انھیں سے ہر جڑی بوٹی کی ہم نے خاصیت جانی

فیں سے کیمیا ممتاز ہے دنیا کی نظروں میں
انھیں سے سرجری اعجاز ہے دنیا کی نظروں میں

اِنھیں سے علمِ آثارِ قدیمہ کی نمائش ہے
غرض ہر علم ہر فن میں انھیں کی آزمائش ہے

رفاقت سے اِنھیں کی بحر و بر تسخیر کر ڈالے
فضاؤں میں ہوائی راستے تعمیر کر ڈالے

کبھی سینہ زمیں کا چیر کر جوہر نکالے ہیں
کبھی قعرِ سمندر روند کر گوہر نکالے ہیں

کبھی تو خشک ریگستان کو گلزار کر ڈالا
فلک رفعت پہاڑوں کو کبھی مسمار کر ڈالا

کبھی اہرام سے مینار اور گنبد بنا ڈالے
پناما اور سویز ایسے کبھی دریا بہا ڈالے

کولمبس کی طرح شہرت ملی، نام آوری پائی
مثل ہر ڈھونڈھنے والوں نے دنیا بھی نئی پائی

عمل پر ہے غرض سارا مدارِ ہستیِ فانی
عمل کا ایک گہوارہ ہے یعنی عزمِ انسانی

فلسفۂ خودداری

ہوئی جب دستِ قدرت سے یہ ساری عالم آرائی
دکھائی صانعِ فطرت نے اپنی شانِ یکتائی

ہوا منظور جب حفظِ مراتب نوعِ انساں میں
تو خودداری و عزِّ نفس کی تعلیم فرمائی

یہی انساں کو بتلاتی ہے فرقِ عزّت و ذلت
اسی نے وضعداری کی ہمیں تدبیر سکھلائی

کیا ہم کو اسی نے عزت و ناموس سے واقف
کیا ہم کو اسی نے آشنائے خوفِ رسوائی

اگر انساں میں باقی ہو احساسِ خودداری
اگر جاتی رہے دنیا سے اس کی کارفرمائی

تو فرق آجائے موجودہ قوانینِ تمدن میں — عجب نظارہ دیکھے ہر طرف چشمِ تماشائی
تمیزِ حق و باطل صاف اُٹھ جائے زمانہ سے — کوئی شوکت کا خواہاں ہو نہ عظمت کا تمنائی

نہ پھر صبر و تحمل ہی رہے عاشق مزاجوں میں — حسینوں میں نہ پھر باقی رہے ذوقِ خود آرائی
یہ وہ جذبہ ہے جس نے جان تک انسان کی لے لی — عدو کے سامنے لیکن کبھی گردن نہ جھکوائی
ہوئی ہے یہ ہجومِ آرزو میں سدِّ رہ اکثر — اسی نے یاس کے عالم میں کی اکثر مسیحائی
یہی مُہرِ سکوت اکثر لگاتی ہے زبانوں پر — یہی دیتی ہے اکثر بزدلوں کو تابِ گویائی
کہیں یہ بنگئی ہے ہمتِ مردانہ انساں میں — کہیں غیرت کی صورت میں ہوئی اسکی جلوہ آرائی
کہیں وضعِ شرافت ہے کہیں طرزِ وجاہت ہے — کہیں شانِ حمیت ہے کہیں فرمانِ دانائی
اسی نے اک گدا کو سطوتِ شاہی عنایت کی — اسی نے ایک بیکس کو بٹھایا تاجِ دارائی
اسی سے اشرفیّت کا ہمارے سر بندھا سہرا — اسی نے احسنِ تقویم کی تفسیر بتلائی
اسی نے ذوق بخشا ہے دلوں کو فتح و نصرت کا — کیا پیدا اسی نے دل میں ارمانِ صف آرائی
یہی جذبہ ہے جو انسان کو انساں بناتا ہے — نہیں کرتے جو اپنی آپ عزت وہ ہیں سودائی

غرض فہمی نظامِ عالمِ امکاں اسی پہ ہے
وہ دیوانے ہیں خودداری کو کہتے ہیں جو خودرائی

اعترافِ ضمیر

جبکہ ہو جوشِ پرشبابِ گناہ — مست ہو شوقِ ارتکابِ گناہ
تیز ہو نشۂ شرابِ گناہ — پھونکدے دل کو التہابِ گناہ
فہم ہو جائے غرقِ آبِ گناہ — خرد و عقل ہو خرابِ گناہ

سنئے اُسوقت التجائے ضمیر

معصیت کوش جب کہ انسان ہو — اور احساس غرقِ طوفاں ہو
شرم و غیرت کا چاک داماں ہو — یعنی تقویٰ نثارِ عصیاں ہو
علم ہو، عقل ہو، نہ ایماں ہو — جس سے انسانیت بھی لرزاں ہو

پھر وہی پُر اثر صدائے ضمیر

حسِّ فکرِ مآل بنتی ہے — خوفِ حق کا خیال بنتی ہے
نیک و بد کا سوال بنتی ہے — ہیبتِ ذوالجلال بنتی ہے
عرقِ انفعال بنتی ہے — اشکِ حزن و ملال بنتی ہے

کس قدر سخت ہے سزائے ضمیر

جب سکوں پائے مال ہو جائے عیش کو جب زوال ہو جائے
جب مسرت ملال ہو جائے اور انسان نڈھال ہو جائے
شرم سے جب یہ حال ہو جائے زندگی تنگ و بال ہو جائے
پھر ہے عفو و سکوں عطائے ضمیر

شرم کا قبلِ ارتکاب ظہور اور ندامت خطا کے بعد ضرور
اک سکوں بعدِ اعترافِ قصور اور نیکی کے بعد ایک سرور
ذلتِ نفس سے بشر کا نفور قوتِ امتیاز و طبعِ غیور
کیا کہیں گے اِنھیں سوائے ضمیر

یہ ہے شیرازۂ کتابِ بقا یہ ہے اندازۂ جہانِ فنا
یہ ہے خمیازۂ صواب و خطا یہ ہے معیارِ امر و نہیِ خدا
یہ ہے پیمانۂ سزا و جزا یہ ہے میزانِ عدل و صدق و صفا
کیا ہے لوّامہ اک ادائے ضمیر

عزتِ نفس و رفعتِ انساں نظمِ اخلاق و قوتِ ایماں
ضامنِ امنِ عالمِ امکاں حارس و شارحِ نظامِ جہاں
سکرات و صراط اور میزاں حشر و نارِ جحیم و باغِ جناں
مختلف ہیں یہ اسم ہائے ضمیر

تلاشِ سکوں

(۱)

دن کے ہنگامے نہاں ہیں رات کے آغوش میں
ہوش ہے خوابیدہ یعنی پیکرِ مدہوش ہیں

اسطرح طاری ہیں دنیا بھر پہ آثارِ سکوں
ذرّہ ذرّہ اس کا ہے گویا پرستارِ سکوں

رات کے دامن میں آسودہ ہے دن کا اضطراب
دہر کے رُخ پہ پڑی ہے رات کی کالی نقاب

ہر طرف ہے ایک تاریکیٔ مطلق جلوہ گر
یعنی پنہاں ہیں حجابِ شب میں انوارِ سحر

اس اندھیرے میں عجب نیرنگیاں پوشیدہ ہیں
کچھ نگاہیں مائلِ آرام کچھ خوابیدہ ہیں

ساری دنیا اس سکوتِ شب کی ہے منت گزار
لیکن اک میں ہوں کہ آتا ہی نہیں مجھکو قرار

درسِ خاموشی میں دیتا ہوں لبِ فریاد کو
کاش حاصل ہو سکوں کچھ خاطرِ ناشاد کو

رنج و راحت، بزم و خلوت، یہ تو کچھ مشکل نہیں
ہیچ ہیں لیکن جو اطمینانِ دل حاصل نہیں

(۲)

بہرِ اطمینانِ دل کوئی تو صورت چاہئے
سوچتا ہوں میں کہ دولت اور حکومت چاہئے

کاش ملجائے مجھے قیصر کی ساری مملکت
کاش ملجائے مجھے خاقاں کا تختِ سلطنت

لعل و گوہر سے خزانہ بھی مرا معمور ہو
شاید اس حالت میں خوش اپنا دلِ رنجور ہو

آہ! لیکن فائدہ کیا سلطنت لے کر مجھے
یاد ہے افسانۂ دارا و اسکندر مجھے

کیا میں اپنے جاں نثاروں سے گلا کٹواؤں گا
کیا میں خالی ہاتھ دنیا کو دکھاتا جاؤں گا

اے فریبِ مال و دولت! میرے دل سے دور ہو
اے غرورِ جاہ و حشمت! میرے دل سے دور ہو

(۳)

جی میں اب یہ آ رہی ہے فاتحِ اعظم بنوں
ثانیِ اسفندیار و ہمسرِ رستم بنوں

چار سو شہرہ ہو میری ہیبتِ شمشیر کا
ہر طرف سکّہ ہو میرے عزمِ عالمگیر کا

شانِ نادر، شوکتِ تیمور ہو حاصل مجھے
شاید اس حالت میں مل جائے سکونِ دل مجھے

لیکن اس صورت میں بھی پیشِ نظر ہے بار بار
جو ہوا انجامِ کارِ رستم و اسفندیار

فاتحِ یورپ وہ شاہِ بایزیدِ یلدرم
دشمنوں کے سر پہ چمکی جس کی تیغِ برق دم

اُس شجاعِ دہر کا انجام آخر کیا ہوا
اور بونا پارٹ سا خود کام آخر کیا ہوا

اس تصور سے بھی اطمینان کچھ حاصل نہیں
خود نمائی کی ہوس وجہِ سکونِ دل نہیں

(۴)

دل کے بہلانے کو پیدا اک نئی صورت کروں
حلقۂ احباب میں توسیع کی جرأت کروں

اسطرح گھٹ جائے شاید رنج بھی آزار بھی
غم ہی یعنی جب مقدر ہے تو ہوں غمخوار بھی

دوستوں میں بیٹھ کر کچھ تو بہل جائے گا دل
پھر نہ ہو گا اس قدر غمگیں، نہ اتنا مضمحل

بے محل ہے اُف یہ میری آرزو بھی کس قدر
لو میں بھولا وہ مثل بھی "غم نداری بز بخر"

یا تو یہ حالت کہ اپنی زندگی بھی بار ہے
یا یہ جرأت اب کہ اِن فکروں پہ دل تیار ہے

دوستوں سے شرکتِ رنج و مصیبت کا خیال
ایک امیدِ عبث ہے، اک تمنائے محال

ابنِ مریم کی گرفتاری میں مخبر کون تھا
قاتلِ دارا و وجہ قتلِ نادر کون تھا

کس کے دامن پر ہے خونِ جولیس سیزر کا داغ
اور مستعصم کا گھر کس نے کرایا بے چراغ

میں نہ رکھوں گا کبھی ایسوں سے اپنا واسطہ
خود غرض ابنائے عالم سے مجھے کیا واسطہ

(۵)

اب سکونِ قلب کی تدبیر آخر کیا کروں
ترکِ آبادی کروں، آباد کیا صحرا کروں

یعنی جنگل میں رہوں بستی کی راحت چھوڑ کر
خوش رہوں گا کیا وہاں قیدِ علایق توڑ کر

گو بظاہر دور ہو جاؤں گا اِن افکار سے
اور زندانِ تمدن کے درو دیوار سے

ایک گونہ مجھ کو آزادی بھی یوں ملجائیگی
اور جانِ مضطرب بھی کچھ تسلّی پائیگی

فکر ہے لیکن وہاں بھی مبتلا ہو جاؤں گا
کیا خبر ہے چھوڑ کر دنیا کو کیا ہو جاؤں گا

میں سمجھتا ہوں کہ کچھ بہتر نہیں یہ بھی خیال
میری نظروں میں ہے ابتک بودھِ اعظم کی مثال

دشت و صحرا میں جو ملتا اُسکو اطمینانِ دل
تو وہ دنیا چھوڑ دینے پر نہ ہوتا منفعل

یہ بھی ظاہر ہے کہ یوں دنیا سے ہو کر بے نیاز
جانوروں میں اور مجھ میں کیا رہے گا امتیاز

الغرض رہبانیت میں کچھ جو ہوتا فائدا
ترکِ دنیا کو نہ کرتے منع ہرگز مصطفٰیؐ

آہ دنیا تجھ میں رہ کر تجھ کو کیونکر چھوڑ دوں
تیرے دیرینہ علایق آہ کیونکر توڑ دوں

(۶)

بس زمانہ میں کہیں میرے لئے راحت نہیں — اور اطمینانِ دل حاصل ہو یہ قسمت نہیں
آہ، یہ دنیا نہیں ہے میری راحت کا مقام — ایسی دنیا اور ایسی زندگانی کو سلام
مجھکو مرنے دو کہ ملجائے کہیں تسکیں مجھے — چین لینے ہی نہیں دیتا دلِ غمگیں مجھے
جس کو جیتے جی نہ پایا اُس کو مر کر ڈھونڈھ لوں — اک نئی دنیا تجسّس کے لئے پیدا کروں
جس کے دینے پر نہیں سارے جہاں کو اختیار — دے سکے شاید وہ نعمت گوشۂ تنگِ مزار
تو نظر آتی ہے یہ تدبیر کچھ موزوں مجھے — یاد آجاتا ہے لیکن ذوق کا مضموں مجھے
اب تو گھبرا کر یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ہم — مر کے بھی راحت نہ پائی تو کدھر جائیں گے ہم

(۷)

اے سکوں موہوم ہے تیری بھی ہستی کس قدر — دل کے بہلانے کو ہے اک لفظ بےمعنی مگر
ہر طرف، ہر رنگ میں سنتے تھے تیرا نام ہم — جستجو ہر چند کی لیکن رہے ناکام ہم
اہلِ دنیا کو جو دیکھا اُن میں خوشحالی نہیں — تارک الدنیا بھی اِن افکار سے خالی نہیں
رنج وغم، خوف وخطر میں مبتلا ہیں مالدار — اور ہیں بیم و رجا میں زاہدانِ شب گذار
کوٹ میں جو دل ہے تسکیں اُس کے اندر بھی نہیں — اور کمبل پوش کا دل بھی نہیں اُس کا مکیں
کاش ملتا کوئی ایسا رہبرِ کامل مجھے — جو بتا دیتا سکونِ قلب کی منزل مجھے
ورنہ جب پورا نہ ہوگا میرے دل کا مدعا — تو کہوں گا، پھر کہوں گا، آشکار و برملا
دونوں عالم میں کہیں فہمیؔ سکونِ دل نہیں — جستجو پھر اُس کی کیونکر سعیِ لاحاصل نہیں

آثارِ سانچی

خطۂ سانچی ہے بیشک رو کشِ باغِ جناں
نازشِ بھوپال، فخرِ کشورِ ہندوستاں

اُس کے نخلستان و میداں مخزنِ جوشِ نمو
خرمنِ گلہائے رنگارنگ ہیں اسکی وادیاں

دامنِ کہسار میں وہ لہلہاتے سبزہ زار
اور صحرا پُر فضا شاداب و سبز و بے خزاں

روح پرور وہ ہوائیں، وہ مناظر دلفریب
دلکشی وہ صبح کی وہ شام کی رنگینیاں

سرزمینِ ہند جیسے منتخب ہے دہر میں
خطۂ سانچی ہے یوں ہی ہند کا روحِ رواں

اے در و دیوارِ سانچی! اے نشانِ رفتگاں
یادگارِ عظمتِ دیرینۂ ہندوستاں

مدفنِ اصحابِ دانش، مرجعِ اربابِ فن
مرکزِ علم و عمل، گہوارۂ روحانیاں

دورِ ماضی میں تو ہی تھا چشمۂ حسنِ ازل
اہلِ دل، اہلِ نظر، تسکین پاتے تھے جہاں

کیوں نہ ہو تیری زمیں اب بھی زیارتگاہِ ہند
جب کہ ملتا ہے تجھی سے بے نشانوں کا نشاں

تجھ سے ابتک ہے نمایاں شوکتِ عہدِ اشوک
ہے جلالِ بودھ اعظم تیرے دامن میں نہاں

تیرا ہر پتھر ہے تاریخِ کہن کا اک ورق
تیری ہر تصویر ہے اک داستانِ باستاں

تیرے آثارِ قدیمہ اور ترے نقش و نگار
تین سو قبلِ مسیحی کا دکھاتے ہیں سماں

اُس زمانہ کا تمدن، اُس زمانہ کا مذاق
اُس زمانہ کی ترقی، اُس زمانہ کی زباں

ٹوٹے پھوٹے کچھ نشاں اب بھی بتاتے ہیں ہمیں
تارک الدنیا رہا کرتے تھے عزلت میں یہاں

چند گنبد حادثوں سے آج بھی محفوظ ہیں
جن میں ہیں آرام فرما کچھ مقدس ہستیاں

ایک پتھر کا پیالہ بھی ہے کچھ ٹوٹا ہوا
طالبانِ علم کا صدیوں رہا جو میزباں

خشک سا اک مخزنِ آب آج بھی موجود ہے
جس سے پیاسے علم کے تر کرتے تھے کام وہاں

بودھ کا جشنِ ولادت، ترکِ دنیا، انتباہ
جستجوئے منزلِ مقصود میں سرگرمیاں

نخلِ دانش اور استغراق و اطمینانِ قلب
اور جنگل سے نکل کر اُس کا وہ پہلا بیاں

اُس کی تعلیمِ محبت، اور ضبطِ جوشِ نفس
اور وہ ترکِ عیال و مال و ننگِ خانماں

اُس کی ایذا کے لئے وہ دشمنوں کی سازشیں
رات کو اک پُر خطر مندر میں اُس کا امتحاں

آتش و مارِ گزندہ اور دیوانِ مہیب
آخرش اُس نیم جاں کی اِن بلاؤں سے اماں

وہ مصائب اور وہ استقلال وہ ترویج دیں
اور وہ ہنگامۂ شیون، وہ مرگِ ناگہاں

بعد مُردن اُس کی مشتِ خاک پر جنگِ عظیم
اور بننا مرجعِ مخلوق اُسکا آستاں

نخلِ دانش کی پرستش اور اشوکا کا جلوس
الغرض اس قسم کی ہیں سیکڑوں نقاشیاں

علمِ آثارِ قدیمہ کے تحفظ کے لئے
خسروِ بھوپال نے کھدوا کے کچھ ٹوٹے مکاں

سعی و کوشش سے نکلوائی ہیں اشیائے قدیم
اور وہ اک میوزیم میں ہیں حفاظت سے وہاں
آہنی سامان و آلات اور اشیائے گلی
جن پہ مصنوعاتِ موجودہ کا ہوتا ہے گماں
مختلف عہدوں کے کتبے، مختلف لوگوں کے بُت
مختلف شاہوں کے سکّے، مختلف صنّاعیاں
جن کے نظارے کو یورپ تک سے کرتے ہیں سفر
علمِ تاریخ اور آثارِ کہن کے رازداں

نقوشِ فطرت

یہ دشت، یہ گلشن، یہ صحرا، یہ موج، یہ ساحل، یہ دریا
یہ مست گھٹا، یہ سرد ہوا، یہ رنگِ شفق، یہ کیفِ فضا
یہ نورِ سحر کا ہنگامہ، یہ ظلمتِ شب اور اُسکا سکوں
یہ بزمِ کواکب، یہ انجم، یہ ماہِ مبیں اور اُس کی ضیا
ہر غنچہ، ہر گل، ہر پتّہ، تفریح کا کل تک ساماں تھا
آج اِن میں نہ وہ کیفیت ہے، آج اِن میں نہ وہ رعنائی ہے
افسردہ و غمگیں میں ہوں تو ان پر بھی اُداسی چھائی ہے
ہے گویا میرے نہ پہ اثر منظر کی لطافت اور وحشت
یعنی یہ سب میرے ہی جذبات کی بزم آرائی ہے
فطرت کے اِن آئینوں میں مَیں دیکھتا ہوں خود عکس اپنا

خونناب

فریبِ محبت

کسی رسالہ میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا جو غالباً کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ ہو اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک فرشتۂ رحمت نے خداوندِ عالم کی اجازت سے اعراف میں اپنا دلخوش کن راگ شروع کیا تاکہ وہاں کی بےچین اور مضطرب روحوں کو تسکین دے سکے۔ اُسکی سریلی اور مستانہ آواز سے وہ تمام فرشتے جو عذاب پر مامور تھے مست و مدہوش ہو گئے اور وہ روحیں جو ابدی عذاب کی ناقابلِ برداشت تکلیفوں سے بےچین ہو کر صدائے آہ و نالہ بلند کر رہی تھیں اس لطف آفریں نغمۂ شیریں سے متوالی ہو گئیں۔ مگر ایک روح صرف ایک نازک اور غمزدہ عورت کی کمزور روح جو اپنے عاشقِ دلنواز کے ہجر و فراق میں بےچین اور نشۂ الفت میں سرشار ہو رہی تھی اور فریبِ محبت نے اُس کے دل و جگر میں نہ مندمل ہونے والے ناسور ڈال رکھے تھے اُس کے زار و نالے میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اُس فرشتۂ رحمت کی سفارش سے اُس غریب اور بیکس عورت نے ایک ساعت کی اجازت حاصل کی کہ ایک ہزار سال کا مزید عذاب اُسے گوارا ہے مگر وہ اپنے محبوب ترین دوست کو ایک نظر دیکھ لے، وہ اپنی خوش قسمتی پر کس قدر نازاں تھی اور اُس کی حقیقی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب اُسے اجازت ملی ہے۔ لیکن اُس نے اپنے (بخیال خود) عاشقِ صادق کے پہلو میں ایک دوسری عورت کو خلافِ امید پایا اُس بے وفا کو مستِ بادۂ عشرت دیکھا اور اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ سن کر "نہیں پیاری تم کچھ خیال مکرو مجھے مرحومہ سے کوئی محبت نہ تھی صرف وہ ارتباط ضرور تھا جو کسی کو اپنے ایک پالے ہوئے جانور کے ساتھ ہو سکتا ہے" اُس کی کیا حالت ہوگی اُف کسقدر دلخراش اور عبرتناک منظر ہے افسوس کہ فاضل مصنف نے اسطرف توجہ نہیں فرمائی، اگرچہ جذبات اور خصوصاً

کسی بیکس عورت کے جذبات میں رنگ بھرنا آسان نہیں لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر جو ہو سکا وہ ہدیہ ناظرین ہے

یاد ہیں وہ دن کہ میرے رُخ کا تو پروانہ تھا — اور مرکز تھا تری الفت کا میرا ہی جمال
یاد ہیں وہ دن کہ تو میرے لئے دیوانہ تھا — تیرے دل میں جاگزیں تھا صرف میرا ہی خیال

پھر رہا ہے آجتک نظروں میں وہ دلکش سماں — جب مری الفت میں تو رہتا تھا ظالم بیقرار
یاد ہے ہاں یاد ہے اب تک وہ پچھلی داستاں — تو مری چشم عنایت کا تھا جب امیدوار

یاد ہے مجھکو زمانہ ابتدائے عشق کا — جب کہ میں سرمایۂ راحت تھی تیرے واسطے
جب مئے الفت سے تیرا جامِ دل لبریز تھا — اور جب تیری تمنائیں تھیں میرے واسطے

شام کو وہ باغ میں ہر روز میرا انتظار — اک ذرا تاخیر پر وہ ہائے تیرا اضطراب
اُف وہ ہر آہٹ پہ تیرا چونک پڑنا بار بار — دل ہی دل میں دیر ہو جانے پہ کھانا پیچ و تاب

وہ نگاہوں کا تری مُڑ مُڑ کے ہر سو دیکھنا — جوشِ بیتابی سے وہ اُٹھ بیٹھنا تیرا کبھی
وہ ٹہلنا محویت کے ساتھ گھنٹوں تک ترا — عالمِ تخئیل میں وہ تیری از خود رفتگی

دفعتاً وہ باغ میں آنا مرا تجھکو نظر
اور وہ جوشِ مسرت تیرا مجھکو یاد ہے
وہ ٹہلنا پھر روش پر ہاتھ میرا تھام کر
اور وہ اظہارِ الفت تیرا مجھکو یاد ہے

حالِ دل اپنا سنانا مجھکو باچشمِ پُرآب
داستانِ غم کبھی، اظہارِ بیتابی کبھی
وہ نئے الفاظ سے میری طرف کرنا خطاب
اور وہ عرضِ محبت کے لئے وارفتگی

یاد ہیں اب تک مجھے ظالم وہ تیری منّتیں
اور وہ اقرارِ الفت پہ مسرت یاد ہے
ہائے وہ عہدِ تمنا اور اُس کی لذتیں
مجھکو تیری ہر ادائے جوشِ الفت یاد ہے

کیا سمجھتی تھی کہ اک دھوکا ہے پیمانِ وفا
کیا خبر تھی نقشِ الفت بھی ہے اک نقشِ بر آب
اس قدر نازک ہے یہ رشتہ یہ کیا معلوم تھا
جانتی کیا تھی کہ آنسو ہیں ترے مثلِ سراب

ہائے وہ ساعت کہ جب دنیا سے تھا قصدِ سفر
اور چھلکنے ہی کو تھا جب میرا جامِ زندگی
جب دوائیں اور دعائیں ہو چکی تھیں بے اثر
اور شمعِ زیست میری آہ گُل ہونے کو تھی

ہو رہا تھا جامۂ ہستی مرا جب تار تار
جب پریشاں ہونے والا ازلیست کا شیرازہ تھا
اصل کی جانب تھا راجع جب مرا مشتِ غبار
چند ساعت زندگی کا اور جب اندازہ تھا

جب مرے ماتم میں ارماں لوٹتے تھے خاک پر
بیکسی سر پیٹتی تھی حسرتیں تھیں سوگوار
تھیں تمنائیں مری بالیں پہ میری نوحہ گر
آرزو روتی تھی امید ول سے مل کر بار بار

سامنے آنکھوں کے تصویرِ خیالی تھی تری
کر رہی تھی جو اُسی صورت سے پیمانِ وفا
منتظر تیری نگاہِ یاس جب بھی تھی مری
ہائے دنیا سے گئی میں لے کے ارمانِ وفا

قبر میں بھی کچھ نہ پایا چین تیری یاد سے
باعثِ وحشت رہی اعراف میں الفت مری
کام تھا مجھکو ہمیشہ نالہ و فریاد سے
دل دکھاتی تھی فرشتوں کا بھی یہ حالت مری

بارگاہِ کبریائی میں یہ سب نے عرض کی
چاہتی ہے اپنے عاشق کو یہ دم بھر دیکھنا
ایک ساعت کی اجازت ہائے لے کر آئی تھی
ہاں مگر قسمت میں لکھا تھا یہ منظر دیکھنا

ہیں تو اب سمجھی ہوں ظالم تیرے اس مفہوم کو ہے غرض دنیا میں عالمگیر الفت کچھ نہیں
آج دھوکا دے رہا ہے اک نئے معصوم کو درحقیقت تجھکو اس سے بھی محبت کچھ نہیں

خونِ آرزو

اب تو امید سے بھی ہوں محروم میری تقدیر یا مرا مقسوم
تیری ہستی، حسن، معنی خیز میرا عشق، ایک لفظ بے مفہوم
کھول دے پردہ حقیقتِ راز عقل کی ہرزہ کاریاں معلوم
توڑ دے خود طلسم ہستی کا کیوں ہے سرگشتۂ قیود و رسوم
عشق کی پختہ کاریاں، توبہ دل سے شوقِ طلب بھی ہے معدوم
اُس کے مٹتے ہی مٹ گئی دنیا ہائے اک چیز تھا دلِ مرحوم
شوق افسردہ، جوش پژمردہ ہو گئی دہر کی ہوا مسموم
میکدے میں نہ ولولے ہیں نہ کیف نہ حریفانِ بادہ نوش کی دھوم
یادگارِ زمانۂ ماضی ایک امید ہے سو وہ موہوم

ہو گیا خونِ آرزو فہمیؔ
ملگئی دادِ حسرتِ معصوم

آنسو

...ب سہتے سہتے رنج وغم انسان کا جی بھر آتا ہے
تب دل کا خون اور جوشِ الم ہوتا ہے نمایاں آنسو ہیں

...دیکھنے میں اک قطرہ ہے، اک بوند ہے پانی کی لیکن
جذبات کی دنیا رکھتا ہے پوشیدہ اپنے پہلو ہیں

...لب پر نالے آ نہ سکے وہ آنکھوں سے بہ نکلے ہیں
جو درد نہیں ہے ظاہر ہیں اشک اُس کی شکلِ ہستی ہے

...سوز وگداز و درد و اثر، حرمان ویاس ورنج والم
تم چشمِ حقیقت بیں سے اگر دیکھو تو سب اسمیں مخفی ہے

...کاشفِ کیفیاتِ دل، یہ جوہرِ حسیاتِ دروں
یہ ریزہ اک الماس کا ہے دل جس سے ٹکڑے ہوتا ہے

...اں فتحِ ممالک ممکن ہے تیروں سے اور تلواروں سے
مفتوح مگر دل ہوتا ہے جب کوئی بیکس روتا ہے

خفتگانِ لحد

جب کہ تمہارے دم سے تھی رونقِ بزمِ کائنات
جب کہ تمہاری ذات تھی نقطۂ گردشِ حیات
جب کہ جہاں میں تم بھی تھے وجہِ سرور و انبساط
جب کہ جہاں میں تم بھی تھے رونقِ محفلِ نشاط
جب کہ تمھارا دل بھی تھا وقفِ ہزار آرزو
اُس پہ فدا تھیں حسرتیں، اِس پہ نثار آرزو

یعنی کبھی تو اک سکوں جذبۂ مشتعل میں تھا
تم جو کسی کے دل میں تھے کوئی تمہارے دل میں تھا
آہ! اس ارتباط کو سمجھے تھے فرضِ عین تم
کوئی تمہارا چین تھا اور کسی کے چین تم

تھا کبھی اضطرابِ شوق، صبر شکن، رضا شکن
شکوۂ صد جفا بلب، شکوۂ صد وفا شکن
جوشِ جنوں نواز گو ضبط سے بے نیاز تھا
دل میں بھرا ہوا مگر عشق کا سوز و ساز تھا

آہ وہ دور کیا ہوا، آہ وہ دن کہاں گئے
آہ وہ تم نہیں رہے، آہ وہ دن نہیں رہے
یاد تمہاری مدتوں صورتِ دلنشیں رہی
بن کے رفیقِ زندگی وہ بھی مگر نہیں رہی
آج تمہاری قبر ہے منظرِ صد فرامشی
اس پہ فدا ہے بیکسی، اس پہ نثار خامشی

ے کہ جہاں میں تم بھی تھے رنج والم سے نوحہ گر
اے کہ کسی کے غم میں تھے تم بھی جہاں میں چشم تر

ے کہ کسی کی قبر پہ تم بھی کبھی تھے نوحہ خواں
اے کہ کسی کی یاد میں تم بھی کبھی تھے سرگراں

ی یوں ہی کبھی کبھی جا کے کسی مزار پر
لیکے وہاں سے آتے تھے دل میں قلق فزا اثر

وں ہی لحد پہ جاتے تھے تم بھی برائے فاتحہ
تم بھی یوں ہی اُٹھا کے ہاتھ پڑھتے تھے ہائے فاتحہ

آہ، تمہاری قبر پہ فاتحہ خواں ہوں آج میں
آہ، تمہاری یاد میں وقفِ فغاں ہوں آج میں

ر گذر کے یہ بھی دن ایک گھڑی وہ آئیگی
جب کہ یہی سماں یہ دن موت مجھے دکھائیگی

ی تمہاری طرح سے ہو کے میں تو وہ غبار
چھوڑونگا ایک ڈھیر سا دہر میں اپنی یادگار

ی برائے فاتحہ آئے گا میری قبر پہ
چونک پڑے گا دفعتاً لوحِ مزار دیکھکر

ل میں اُٹھے گی ہوک سی رونے لگیگا زار زار
اور یہ آہِ سرد وہ بھر یہ کہے گا بار بار

اس کو تو جانتے ہیں ہم، یہ تو ہمیں بھی یاد ہے
فہمی نامراد ہے، فہمیِ نامراد ہے

خالی عید

آرزو بر آنے والی رہ گئی
دل میں امیدِ خیالی رہ گئی

حسرتوں کی ہو گئیں قربانیاں
بے تمہارے عید خالی رہ گئی

ہماری عید

خیر ہو اے خدا کہ آج ہوک سی اُٹھ رہی ہے پھر
دل کی تڑپ ہی ہے پھر سوزِ جگر وہی ہے پھر

چین نہیں کسی طرح بدلی ہیں کروٹیں ہزار
آنکھ سے نیند اُڑ گئی، دل سے چلا گیا قرار

لاکھ یہ چاہتا ہوں میں ضبطِ فغاں سے کام لوں
دل جو ہو مضطرب مرا ہاتھوں سے دل کو تھام لوں

جب نہ ملے مجھے قرار ہائے تو پھر میں کیا کروں
دل پہ نہ ہو جو اختیار ہائے تو پھر میں کیا کروں

سوتے ہیں لوگ چین سے بستی ہوئی اُجاڑ سی
آہ یہ رات کاٹنی مجھ کو ابھی پہاڑ سی

ہائے وہ ٹیس پھر اُٹھی، پھر ہوئی مجھکو بیکلی
درد کے ساتھ یا خدا جانِ حزیں نکل چلی

خون میں مل کے دل بھی آہ اشک کے ساتھ بہہ گیا
سینہ میں اب بجائے دل درد ہی درد رہ گیا

سینے میں دل نہیں تو پھر ہائے یہ درد کس میں ہے
دل کی جگہ ہے اور کون درد کی ٹیس جس میں ہے

رات مری گزار دے، دل کو ذرا قرار دے
دونوں نہوں تو یا خدا موت پہ اختیار دے

مجھ پہ گزر رہی ہے جو کس کو بتاؤں اور کیا
لیجئے دل تو آج خود بن کے زبان بول اُٹھا

یاد ہیں دن کہ جب مجھے رنج نہ تھا، الم نہ تھا
عیش کی زندگی تھی اور جان پہ کچھ ستم نہ تھا

میرے لئے بلائے جاں ایسی تو خواہشیں نہ تھیں
رنج کی کاوشیں نہ تھیں، فکر کی کاہشیں نہ تھیں

کوئی بھی دکھ نہ تھا اگر ہو تو مجھے خبر نہ تھی
آج ہے جو فسردگی ایسی تو عمر بھر نہ تھی

سینہ میں دل بھی تھا مگر دل پہ یہ بارِ غم نہ تھا
داغ بہارِ دل نہ تھا، سینہ فگارِ غم نہ تھا

آگئی عید آگئی، سارا زمانہ شاد ہے
ہو، مگر اس کو کیا خوشی آہ جو نامراد ہے

میرے بھی دل میں آئے یہ ایسی خوشی کو کیا غرض
مجھ سے گلے ملے کوئی ایسی کسی کو کیا غرض

رشک نہیں، حسد نہیں، مجھکو کسی کے عیش پر
میں بھی ہوں خوش، یہ آرزو لیتی ہے چٹکیاں مگر

ہاں کوئی یاد آگیا دیکھ کے عید کا سماں
دل میں اٹھا ہے درد سا، آنکھوں سے اشک ہیں رواں

آہ کبھی مری بھی عید آتی تھی مجھکو یاد ہے
میرے لئے بہارِ عیش لاتی تھی مجھ کو یاد ہے

عید تو آئی ہے مگر عیش کہاں سے لاؤں میں
عید تھی جن کے دم سے آہ، انکو کہاں سے پاؤں میں

عید وہ کیا، کہ عیش کی کوئی امید ہی نہیں
جس میں نہو کوئی خوشی عید وہ عید ہی نہیں

ہجومِ تاثرات

اب بھیگ چکی ہے رات بہت
دنیا میں اندھیری چھائی ہے
دل آہ بہت گھبراتا ہے

طاری ہے وہ ہیبتناک سماں
اُف کیسی بھیانک رات ہے یہ
کیا وحشت افزا منظر ہے

غفلت سی ہر سو پھیلی ہے
ہلتا نہیں پتہ تک کوئی
سناٹا ایسا چھایا ہے

سنسان پڑی ہے کل دنیا
سب پاؤں پسارے سوتے ہیں
ہاں ایک ستم کش اک غمگیں

جس کو یاں مطلق چین نہیں
دن رات تڑپتا رہتا ہے
جو نیند سے بالکل ناواقف

آرام سے قطعاً بے پروا
جو عمر بسر یوں کرتا ہے
یعنی وہ سراپا درد والم

سب جس کو فہمی کہتے ہیں خاموش پڑا ہے بستر پر وہ کروٹ جس دم لیتا ہے
یا ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے تب ایسا ظاہر ہوتا ہے آنکھوں میں اُس کے نیند نہیں
ہے بحرِ تخیل میں ڈوبا کیا آج بسائے گا یہ الگ اپنی ایک خیالی دنیا

تراوشِ جذبات

اے سونے والو مرقد کے یہ راحتِ خواب آخر کب تک اس نیند سے چونکو بہرِ خدا
کچھ اپنی کہو کچھ ہم سے سنو تم ہم کو بتاؤ حالِ عدم ہم تم سے کہیں اپنی بیتی
کیا اگلے روابط بھول گئے کیا پچھلی باتیں یاد نہیں یاد آتے ہو اکثر تم تو ہمیں
پھرتے ہو نظر میں آٹھ پہر وہ لطفِ مشاغل وہ باتیں جب یاد ہمیں آجاتی ہیں
اک چوٹ سی دل میں لگتی ہے اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں اب کوئی نہیں ایسا مونس
جو حال ہمارا ہم سے سُنے جو ذکر تمہارا ہم سے کرے آئے ہیں یہاں ہم خود آخر
آج اپنا فسانہ سنانے کو تم جب سے گئے اس دنیا سے کچھ دنیا کی سدھ بدھ نہ رہی
اتنا تو بتاؤ بہرِ خدا ہم یاد بھی تم کو آتے ہیں آتی ہے تمھاری روح کبھی
دیرینہ مراسم دیکھنے کو ہاں آج یہ جن کی حالت ہے یہ جن کا ہے منظر وحشت زا
وہ جنگل باغ تمہارے ہیں جن میں ہے ویرانی یکسر ہاں اُن کا پتہ بتلانے کو
کچھ ڈھیر خس و خاشاک کے ہیں یا ٹوٹے پھوٹے چند کھنڈر رونق وہ نہیں، مجمع وہ نہیں

اِک فہمی بیکس دل خستہ　　غمدیدۂ محزون و مضطر　　آ کر وہی اس ویرانے میں
اب گھنٹوں رویا کرتا ہے　　اور گورِ غریباں میں اسلم　　جو شکوے کرنے آیا ہے
بیزار ہے یہ بھی دنیا سے　　اور تم سے ملنے کا خواہاں ہے　　جینے کا اُسے کیا لطف ملے
ہمدرد نہیں، احباب نہیں　　ہے کوئی عالمِ غربت میں　　اور کوئی کنجِ تربت میں
یہ دہر سرائے فانی ہے　　رہتا ہے ہمیشہ کون یہاں　　باقی ہے خدا کا نام اور بس

مرقعِ ہستی

(پہلی تصویر)

پردۂ ظلمت میں گو ہے اس کا مستقبل نہاں　　اور نظر آتا ہے امیدوں کا چہرہ اشکبار
ٹھنڈی سانسیں لے رہا ہے سینہ میں غمگین دل　　یادِ ماضی سے جگر بھی ہو رہا ہے داغدار

آمد و رفتِ نفس کا ہے جو پیہم سلسلہ　　روح کی آہوں کی اک غم خیز یہ آواز ہے
اک شکستہ سا قفس ہے جسم اور روحِ فگار　　اُس کے اندر مضطرب اور مائلِ پرواز ہے

جو لباسِ پارہ پارہ آہ زیبِ جسم ہے　　اس ستم کش کے دلِ صد پارہ کی تفسیر ہے
اُف یہ عبرتناک منظر، یہ سکوتِ جاں گداز　　سر سے لے کر پانوں تک اک یاس کی تصویر ہے

اہلِ دنیا کو دکھاتا ہے جو اپنے دل کے زخم
کون ہے یہ؟ آہ اک بیکس ہے، اک مغموم ہے
آہ! اے مایوسِ عشرت! آہ اے محرومِ عیش
قسمتِ ناکام کو رو کیونکہ تو مظلوم ہے

(دوسری تصویر)

دور ہے اپنے وطن سے دور ہے احباب سے
کس طرف جائے کہیں راحت کوئی ہمدم نہیں
پُر فضا گلشن، سمندر، اور نیلا آسماں
اس کی نظروں میں یہ قبرستان سے کچھ کم نہیں

خوش نوایانِ چمن کے زمزمے اور چہچہے
اس کے کانوں میں صدائے شیون و فریاد ہیں
پھر رہے ہیں اس کی نظروں میں وطن کے سبزہ زار
اور وہ دلکش مناظر اس کو اب تک یاد ہیں

دور ہی ہے سامنے آنکھوں کے تصویرِ حیات
چھوٹ کر اپنے وطن سے یہ ذلیل و خوار ہے
موت ہی اب اس ستم کش کی جو طالب ہو تو ہو
ورنہ یہ دنیائے ہستی تو بہت بیزار ہے

دل جو بھر آیا ہے آنکھیں ڈبڈبا آئی ہیں آہ
کون ہے یہ؟ اک مسافر، اک گرفتارِ محن
اے وطن آوارہ! اے غربت زدہ! اے ناکام!
اور رو لطفِ وطن کو کیونکہ تو ہے بے وطن

(تیسری تصویر)

آہ ہر انسان کیوں افسردہ و مغموم ہے　کیا یہ میرا رنگِ ماتم چھا گیا آفاق پر
کیا مری قسمت کا کُل دنیا پہ سایہ پڑ گیا　آہ کیوں بیچین ہے، کیوں مضطرب ہے ہر بشر

ہے ہر اک شے کو زمیں سے آسماں تک انقلاب　بلکہ عرشِ کبریائی پر بھی ہے اک زلزلہ
ہے فنا ہر وقت موجوداتِ عالم پر محیط　اور ہر ہستی کو لازم ہے فنا کا مرحلہ

عالم اور اسبابِ عالم ہونگے سب اکدن فنا　درس عبرت دے رہی ہیں اہلِ دنیا کو قبور
آہ یہ قانونِ قدرت کا ہے روشن مسئلہ　یعنی جو بنتا ہے وہ اک دن بگڑتا ہے ضرور

اے تباہی کے ہدف! اے لقمۂ تیغِ ستم!　آہ اے انسانِ فانی! اے وجودِ بے بقا
اپنی اِن موہوم امیدوں کو تو دل سے نکال　اور ارمانوں کا ماتم کر کہ ہے آخر فنا

(از ترکی)

ذوقِ غزلت

دستِ بیدادِ اجل کی شکوہ سنجی کب تلک — کب تلک وردِ زباں افسانۂ جورِ فلک
تابہ کے جانِ حزیں کو صرفِ ماتم کیجئے — تابہ کے زخمِ جگر منت کشِ ذوقِ نمک

قسمتِ ناکام کی کب تک شکایت کیجئے — چرخِ نیلی فام کی کب تک شکایت کیجئے
ہو چکا بے مہریِ اربابِ الفت کا گلہ — عشق کے انجام کی کب تک شکایت کیجئے

دورِ عیشِ سابقہ کی نوحہ خوانی تابہ کے — انبساطِ عہدِ رفتہ کی کہانی تابہ کے
مرنے والے کے لئے جب کوئی مر جاتا نہیں — پھر رہے گی آنسوؤں کی یہ روانی تابہ کے

اشک کچھ مرہم نہیں زخمِ دروں کے واسطے — آہ کچھ بیڑی نہیں پائے جنوں کے واسطے
ہائے پھر یارانِ رفتہ کو کہاں تک روئیے — آستیں ہو وقف کب تک اشکِ خوں کیواسطے

اعثِ تسکینِ دل جب نالۂ پیہم نہیں — لطفِ دریوزہ بھی زخموں کیلئے مرہم نہیں
دامنِ اوراقِ گل میں جب خزاں خوابیدہ ہے — تو چمن بھی سرزمینِ گور سے کچھ کم نہیں

نغمۂ شادی سے ہو سکتا نہیں میں شادماں
بارِ خاطر ہیں مجھے دنیا کی سب دلچسپیاں
میں سمجھتا ہوں طلسمِ دہر کے انجام کو
یعنی ہر سازِ طرب میں سوزِ ماتم ہے نہاں

موت و پیدائش کے ہنگاموں سے جی بیزار ہے
فکرِ تکلیف اور آسائش بھی اب تو بار ہے
چاہتا ہوں ایک خاموش اور سادہ زندگی
اب نمائش اور آرائش سے مجھکو عار ہے

ایک مدت سے اسیرِ پنجۂ بیداد ہوں
توڑ کر قیدِ تمدن کاش اب آزاد ہوں
ہو چکا اکثر براتوں اور جنازوں میں شریک
چند دن اب لطفِ تنہائی سے بھی دلشاد ہوں

جی میں آتی ہے کہ سیرِ وسعتِ صحرا کروں
یعنی اک دنیا نئی اپنے لئے پیدا کروں
سیرِ مصنوعاتِ انسانی سے اب جی سیر ہے
حسنِ فطرت اسکی اصلی رنگ میں دیکھا کروں

دشت ہی میرے لئے سامانِ راحت ہو تو ہو
لطفِ ویرانہ ہی کچھ درمانِ وحشت ہو تو ہو
چار دیواری میں اب تسکیں نہیں ہوتی مجھے
دامنِ صحرا سکوں بخشِ طبیعت ہو تو ہو

جی میں ہے گھر سے نکلکر دشت پیمائی کروں
جذبۂ وحشت سے حاصل آبلہ پائی کروں
لالۂ صحرا سے کچھ دن محفل افروزی رہے
طائرانِ خوشنوا سے بزم آرائی کروں

آہوانِ دشت سے جاکر ہوں سرگرمِ سخن
یعنی خلوت میں بناؤں اک نرالی انجمن
ہو حریفِ قصرِ عشرت ہر درختِ سایہ دار
اس طرح غربت میں بھی حاصل کروں لطفِ وطن

بس ہوں دن رات محوِ سیرِ دنیائے خیال
یادِ ماضی کی نہ کلفت ہو نہ پروائے مآل
اس قدر مدہوش کردے مجھکو کیفِ بیخودی
کچھ خوشی کا ہو اثر دل پر نہ احساسِ ملال

انقلاب

پہلے کی طرح شاید کچھ میں ہی نہیں ورنہ
جب بھی یہی دنیا تھی، اب بھی یہی دنیا ہے
ناکامیِ پیہم نے یا مجھکو بدل ڈالا
یا عالمِ امکاں کے ہر ذرّے کو بدلا ہے
یا دل کا ہر اک گوشہ دنیائے تمنا تھا
یا آج وہی بیکس محرومِ تمنا ہے
یا میں تھا کہ حالت پر احباب کی ہنستا تھا
یا میں ہوں کہ اب مجھپر انجان بھی روتا ہے
یہ بے وطنی اور یہ آوارگیِ غربت
احباب کی منت کش، ممنونِ اعزا ہے
ناکامِ محبّت ہے، بربادِ مروت ہے
عبرت کی غرض فہمی تصویرِ سراپا ہے

دو آتشہ

غمِ انتظار

(جنابِ جگر کی ایک نظم پر تخمیس)

جگر کی نظم ہے یا شاہکار کیا کہنا
کہ اہلِ ذوق ہیں بے اختیار کیا کہنا
زبانِ شوق پہ ہے بار بار کیا کہنا
نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا
کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار کیا کہنا

یہ حشر خیز نگاہیں، یہ شعلہ ریز جلال
یہ جوشِ کفرِ جوانی، یہ زورِ سحرِ حلال
یہ حسنِ شوخ کی رنگینیاں، یہ برقِ جمال
یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خط و خال
یہ لب، یہ رُخ، یہ جبیں، یہ عذار کیا کہنا

یہ آنکھ، اور خمارِ شراب، ارے توبہ
یہ مستیٔ نظرِ بے حجاب، ارے توبہ
یہ عارض، اور یہ رنگِ شہاب، ارے توبہ
شباب، اور مکمل شباب، ارے توبہ
بہار، اور مجسم بہار، کیا کہنا

فسونِ مختصرِ شوق، ارے معاذ اللہ
جنونِ پر دہ درِ شوق، ارے معاذ اللہ
تلاطمِ اثرِ شوق، ارے معاذ اللہ
تصادمِ نظرِ شوق، ارے معاذ اللہ
تبسمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا

بہار و ابر کی دوشیزگی ہے صرفِ چمن نمو کے فیض سے رنگیں ہے حرفِ حرفِ چمن
نسیمِ صبح و مئے خوشگوار و ظرفِ چمن فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن
شرابِ عشق و لبِ جوئبار کیا کہنا

سرورِ نزہتِ سرسبزیٔ چمن، کیا خوب وفورِ عشرتِ رنگینِ انجمن، کیا خوب
لطیف نکہتِ شب بوو یاسمن، کیا خوب گل و شگفتہ و نسرین و نسترن، کیا خوب
بہار و سایۂ ابرِ بہار کیا کہنا

سکوتِ غم میں بھی ہے ترجمانیٔ آواز نظر ہے جذبۂ بیتابِ عشق کی غماز
فغانِ چور بلب، دل میں شکوہ ہائے دراز بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز
جبینِ شوق و کفِ پائے یار، کیا کہنا

اُدھر وہ لطفِ مسلسل، نوازشِ پیہم اِدھر یہ نازشِ عجزِ نیاز کا عالم
نمائشِ دلِ مجروح و پُرسشِ مرہم سبک روانیٔ اشک و خنک نسیمِ کرم
نشاطِ دردِ دلِ بے قرار کیا کہنا

خفیف لرزشِ چینِ جبیں، معاذ اللہ لطیف جنبشِ چشمِ حسیں، معاذ اللہ
عرق عرق وہ تنِ نازنیں، معاذ اللہ گزارشِ دلِ غم آفریں، معاذ اللہ
نگارشِ غمِ ہمت شکار، کیا کہنا

تمام زورِ خطابت، تمام ذکرِ جفا　　تمام جوشِ فصاحت، تمام عذرِ خطا
تمام حرف و حکایت، تمام شکر و دعا　　تمام شوق و شکایت، تمام مہر و وفا
فسانۂ دلِ بے اختیار کیا کہنا

نگاہِ لطف بھی نامعتبر، ارے توبہ　　لرز رہا ہے ابھی تک جگر، ارے توبہ
سہی وہ جانِ تمنا مگر، ارے توبہ　　شراب ریز نشیلی نظر، ارے توبہ
پیالہ گیر کفِ رعشہ دار کیا کہنا

حدودِ شرعِ محبت ہیں گو قیودِ رضا　　اصولِ ناز نہیں ہے نوازشِ بیجا
مگر ہے دعوتِ ذوقِ خلش یہ طرزِ حیا　　فسونِ نیم نگاہی و سحرِ استغنا
سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار کیا کہنا

ظہورِ غیرتِ ذوقِ الم، جزاک اللہ　　غرورِ ہمتِ نامحتشم، جزاک اللہ
قصورِ سرخوشیِ چشمِ نم، جزاک اللہ　　وفورِ بیخودیِ ضبطِ غم، جزاک اللہ
سرورِ بادۂ ناخوشگوار، کیا کہنا

صلائے امن بہ آوازِ حسن، ارے توبہ　　جفائے حسن بہ اندازِ حسن، ارے توبہ
نویدِ سوزِ غم و سازِ حسن، ارے توبہ　　کرم نما ستمِ نازِ حسن، ارے توبہ
ستم نما کرمِ خاصِ یار، کیا کہنا

جنونِ شوق کے برہم اشارہ ہائے لطیف
سکونِ ہوش کے کچھ کم اشارہ ہائے لطیف
وہ حسن و عشق کے باہم اشارہ ہائے لطیف
نگاہِ ناز کے پیہم، اشارہ ہائے لطیف
شکستِ شیشۂ دل بار بار کیا کہنا

تعینات ہیں فہمی فریب جلوۂ اُدھر
بقدرِ شوق نہیں وسعتِ نگاہ اِدھر
اسیرِ میکدۂ رنگ و بو ہو جو نظر
حریمِ حسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں جگہ
اگر یہی ہے غمِ انتظار کیا کہنا

فریبِ استغنا

(جناب حسرتؔ موہانی کے ایک قطعہ کی تخمیس)

بے نیازِ لطفِ آئینِ وفا ہو جائیے
ناشناسِ عرضِ اہلِ مدعا، ہو جائیے
چھوڑ کر رسمِ وفا، محوِ جفا ہو جائیے
توڑ کر عہدِ کرم نا آشنا، ہو جائیے
بندہ پرور جائیے، اچھا خفا ہو جائیے

کر چکا نذر آپ کو میں اپنے دل کی کائنات
کہہ چکا میں آپ سے کہنا تھے جو کچھ واقعات
خیر بہتر ہے نہ سُنیے بندہ پرور کوئی بات
میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے

یوں بھی کب مجھ پر کیا تھا آپ نے لطف و کرم — رنج و غم میرا ہوا تھا مہرباں کس روز کم
خیر اگر باقی ہے دل میں اور بھی شوقِ ستم — خاطرِ محروم کو کر دیجئے محوِ الم
درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہو جائیے

حسرتِ دیدار کو گر جوش افزا دیکھئے — خاطرِ مایوس کو وقفِ تمنا دیکھئے
گر مجھے وارفتۂ ذوقِ تقاضا دیکھئے — گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھئے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جائیے

تا بہ کے انسان پابندِ غم و حسرت رہے — تا بہ کے صدمے سہے کوئی فراقِ دوست کے
دل کی ہر اک آرزو کا کیا کوئی ماتم کرے — جی میں آتی ہے کہ اُس شوخِ تغافل کیش سے
اب نہ ملئے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے

ہائے یہ سب کچھ سہی ہو جائیں ہم بھی بے خبر — دل میں آنے ہی نہ پائے کوئی حسرت بھول کر
کچھ نہ لیں یعنی کسی کی بے وفائی کا اثر — ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اُس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جائیے

چھوٹیے فہمیِ ستم سے اب یہ حسرت جی میں ہے — ہو رہائی بندِ غم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
کاوشِ نامختتم سے اب یہ حسرت جی میں ہے — کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چھُٹ کے اِن جھگڑوں سے مہانِ قضا ہو جائیے

شکوۂ تغافل

(جناب شہا کی ایک غزل پر خمسہ)

واقعات کہتے ہیں کچھ گلا نہیں کرتے
یوں وہ کچھ نہیں کرتے اور گیا نہیں کرتے
مدعا نہیں سنتے، اعتنا نہیں کرتے
کس قدر ستمگر ہیں اور جفا نہیں کرتے
غمزے بھی تغافل میں وہ روا نہیں کرتے

معذرت کریں، جب ہو بد گماں بظاہر تم
برملا کہیں اگر وجھڑ کیاں بظاہر تم
دل میں تو کدورت ہے، مہرباں بظاہر تم
کوئی تم کو کیا جانے اور ہاں بظاہر تم
ناز نہیں کہتے، نارو انہیں کرتے،

میری التجاؤں پر مضحکے ہوئے اکثر
خفتیں ہوئیں مجھکو اپنی ہر تمنا پر
کاش کوئی سن لیتا میری گفتگو دم بھر
عرض مدعا آخر کیجئے کہاں جا کر
اہلِ بزم تو کچھ بھی اعتنا نہیں کرتے

یوں تو مجھسے رہتی ہے فطرتاً تمھیں ان بن
شکوۂ تغافل پر اور ہو گئی الجھن
اس قدر کڑے تیور، اور یہ بھری چتون
میں غریب کیا کہتا تم کو آرزو دشمن
ورنہ تم جو کرتے ہو آشنا نہیں کرتے

اُس سے حالِ دل کہئے جو سُنے گِلا اپنا
اُس سے التجا کیجے جو کرے کہا اپنا
کیوں، ہم اُٹھاؤ گے خفّت کہہ کے ماجرا اپنا
کیا اُنھیں سے کہدو گے مدعا تُمھا اپنا

وہ جو مسکراتے ہیں اور سُنا نہیں کرتے

نوائے تلخ

(حضرت جگر کے ایک شعر کی تضمین)

میں غریب بیکس و ناتواں، نہ کوئی شفیق نہ مہرباں
مری جانِ زار ہے اور میں کوئی ہمنشیں ہے نہ ہمزباں
نہ بہار سے مجھے واسطہ، نہ مجھے حمایتِ گلستاں
مری جائداد نہیں یہ گلُ، یہ چمن نہیں ہے مرا مکاں
نہ قفس سے مجھکو ہراس ہے، نہ شجر پہ میرے لئے اماں
نہ تو ہیبتِ ستمِ خزاں، نہ غمِ عداوتِ باغباں
اُٹھیں بدلیاں، چلیں آندھیاں، مجھے کیا عدو ہے جو آسماں
نہ دیں غیض میں مجھے دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پَر

یادِ وطن

(جناب ناصر صاحب کی غزل کی تسبیع)

سب لطفِ سیرِ نہرِ چمن یاد ہیں مجھے — ایامِ فصلِ گل ہمہ تن یاد ہیں مجھے
نظارہ ہائے تاب شکن یاد ہیں مجھے — وہ زمزمے، وہ لطفِ سخن یاد ہیں مجھے
صد ہا ترانہ ہائے وطن یاد ہیں مجھے — افسانہ ہائے عہدِ کہن یاد ہیں مجھے
زنداں میں نغمہ ہائے چمن یاد ہیں مجھے

بس بس، فریبِ لطف ہے سب مجھ پہ آشکار — کب تک کیا کروں ترے وعدوں کا اعتبا
کب تک اٹھائے جانِ حزیں رنجِ دلفگار — کب تک کوئی رہے غم و اندوہ کا شکا
سو داغ ہیں تغافلِ ماضی کی یادگار — ہے نقشِ دل پہ شدّتِ شب ہائے انتظا
پیمان تیرے عہد شکن یاد ہیں مجھے

احبابِ دلنواز کو اور اک حزیں سے بیر — افسردہ دل اگر وہ سمجھتے ہیں مجھ کو، خیر
گلگشتِ باغ خاک ہے مجھ کو وطن بغیر — یکساں ہیں مجھکو گلشن و صحرائے دشت و د
میں اور طلسمِ لطفِ شبِ مالوہ کی سیر — میں اور فریبِ نزہتِ صبحِ دیارِ غیـ
نظارہ ہائے شامِ وطن یاد ہیں مجھے

وہ سطحِ آبِ نہر کی کوسوں درازیاں
عکسِ شفق کی موجوں سے وہ تزک تازیاں
موجِ صبا کی سبزۂ و گل سے وہ بازیاں
اور قوتِ نمو کی وہ جدت طرازیاں
فطرت کی بھیرہو امیں وہ ہنگامہ سازیاں
وہ برق و ابر و باد کی گلشن نوازیاں
طوفان ہائے صحنِ چمن یاد ہیں مجھے

بھولا نہیں ہوں میں وہ سلاسل کی شفقتیں
تھیں جانِ زندگی وہی پُر امن ساعتیں
زنداں کا وہ سکون، وہ پُر لطف فرصتیں
وہ خامشی وہ حسنِ تخیّل کی ندرتیں
ہاں یاد ہیں قفس کی وہ دلکش فراغتیں
بھولا نہیں ہوں امنِ اسیری کی لذتیں
آغوش ہائے طوق و رسن یاد ہیں مجھے

برسوں سے ہوں رہینِ ستم ہائے انقلاب
یہ رنجِ بیکسی، یہ غریبی، یہ اضطراب
دل ہوگیا تغافلِ احباب سے کباب
فہمی کی جانِ زار ہے اور سیکڑوں عذاب
مدت گذر گئی ہے اسی طرح سے جناب
اک عمر ہوگئی ہے کہ ہوں خانماں خراب
ناصر! سلوکِ اہلِ وطن یاد ہیں مجھے

سی پارے

(۳۰ غزلیں)

(۱)

نہ ہوگا کوئی مجھسا بادۂ وحدت کا متوالا
کہ میں ہوں ساقیِ کوثر کی آنکھیں دیکھنے والا

بُری ہوتی ہے مایوسی بُری ہوتی ہے مجبوری
بنا کر ہم نے نقشِ آرزو خود ہی مٹا ڈالا

دمِ آخر وہ امیدیں بھی اب آنکھیں چُراتی ہیں
جنھیں خونِ جگر سے دل میں ہم نے عمر بھر پالا

تپش ہوتی ہے رہ رہ کر ٹپک بڑھتی ہے تھم تھم کر
خدا جانے مرے پہلو میں دل ہے یا کوئی چھالا

عرق ماتھے پر، اشک آنکھوں میں، جنبش خشک ہونٹوں پر
اجل آئی کہ ٹوٹا قلبِ مضطر کا کوئی چھالا

الٰہی گرمیِ سوزِ دروں بھی کیا قیامت تھی
کہ دل سینہ میں فہمی بن گیا آتش کا پرکالا

(۲)

عالم ہے یہ اپنی بے کسی کا
مُنہ دیکھ کے روتے ہیں کسی کا

جھگڑا ہی چکا گھڑی گھڑی کا
ممنون ہوں مرگِ بیکسی کا

رخصت، شبِ انتظار رخصت
بجھتا ہے چراغ زندگی کا

ہم روتے تھے اور وہ جارہے تھے
عالم تھا عجیب بے بسی کا

ہم بھی آتے ہیں جانے والو
وقفہ ہے گھڑی ہی دو گھڑی کا

اپنی بھی مجھے خبر نہیں ہے
یہ حال ہے خود فراموشی کا

آنکھیں ہوں تو ہر جگہ ہے ایمن
ہر ذرّہ میں نور ہے کسی کا

انسان کو کیا سمجھ رہے ہو
محرم ہے یہ رازِ سرمدی کا

کس منہ سے کروں تیری شکایت — دل خود ہے حریف زندگی کا
فہمی تری اس روش کے قرباں — نیکی ہے عوض ہر اک بدی کا

(۳۳)

تجھے کیا علم او محوِ جفا میری مصیبت کا — کبھی دیکھا نہیں بن کر بگڑنا تو نے قسمت کا
کسی کا میرے آنسو پونچھنے میں خود بھی رو دینا — نہ بھولے گا کبھی مجھکو وہ منظر وقتِ رخصت کا
کہاں تک آہ اے محوِ تغافل پاسِ خودداری — خبر بھی ہے کہ دم اُکھڑا ہے بیمارِ محبت کا
وہ بیکس آہ لطفِ محفلِ احباب کیا جانے — وطن میں رہ کے جس کو سامنا ہو رنجِ غربت کا
مبارک ہو تمھیں اے ہمصفیرو سیرِ گلشن کی — اُسے کیا بجھ چکا ہو ولولہ جس کی طبیعت کا
گلی میں اُس کی فہمی کوئی اکثر شب کو روتا ہے — ہوا خونِ تمنا آہ کس بربادِ الفت کا

(۳۴)

مذاقِ عشق میں ہے بزدلی جی سے گذر جانا — بھلا کچھ بات بھی ہے گردشِ قسمت سے ڈر جانا
اُدھر بالیں سے اُٹھ کر آپ کا وقتِ سحر جانا — اِدھر دو ہچکیاں لے کر مریضِ غم کا مر جانا
سمجھ لو شرم رکھ لی ہم نے آئینِ محبت کی — مصیبت میں بہت آسان تھا گھبرا کے مر جانا
مریضِ ہجراں دو چار ہی سانسوں کا مہماں ہے — ذرا دم توڑنے کا بھی تماشا دیکھ کر جانا
جنونِ عشق کی تاکید صحرا کی طرف چلئے — تقاضا کوئے قاتل کا کہ دم بھر کو ٹھہر جانا
خروشِ عشق کو نیرنگیِ جوشِ جنوں سمجھے — بہارِ حسن کو رنگینیِ ذوقِ نظر جانا

(۵)

پہلے تو اپنے عشوۂ قاتل کو دیکھنا
پھر تم کسی کے حوصلۂ دل کو دیکھنا

موجوں کی شورشوں ہی میں ہے لذتِ حیات
تو نا خدا کی طرح نہ ساحل کو دیکھنا

تجھکو اگر ہے منزلِ مقصود کی تلاش
تو ہر قدم پہ مقصدِ منزل کو دیکھنا

آزادیٔ طلب ہو اسیرِ مجاز کیوں
لیلےٰ کی آرزو میں نہ محمل کو دیکھنا

مرنا بھی انتظار میں دشوار ہو گیا
فہمیؔ نامراد کی مشکل کو دیکھنا

(۶)

پھر اپنی تباہی کا کیوں مجھکو گلا ہوتا
قسمت کی طرح ظالم گر تو نہ پھرا ہوتا

نازیٔ قسمت نے تاثیرِ فغاں کھوئی
رہ نا ہی ہمیں کیا تھا' نالہ جو رسا ہوتا

بس موسمِ گل ہی تک پرواز کی حسرت تھی
صیاد بھی پھر کہتا تو میں نہ رہا ہوتا

دنیائے محبت میں سب تجھسے سبق لیتے
جینا تھا اگر فہمیؔ اس طرح جیا ہوتا

(۷)

بیٹھ کر پہلوئے دشمن میں مجھے یاد نہ کر
یوں سرِ بزم تمنا مری برباد نہ کر

نہ دلا یاد وہ بھولے ہوئے ایامِ بہار
ہم قفس مجھپہ خدا کے لئے بیداد نہ کر

ہے غمِ دوست میں مرنا بھی کوئی بات اے دل
فکرِ تقلیدِ تنک ظرفیٔ فرہاد نہ کر

مجھ سے کہتی ہے یہ محرومیٔ قسمت میری
دل میں ارمانوں کی دنیا کوئی آباد نہ کر

ہے نشاں فہمیِ ناشاد کا یہ تودۂ خاک
اُس کو برباد کیا اب اِسے برباد نہ کر

(۸)

روتے ہیں چارہ گر مری حالتِ زار دیکھ کر
ٹکڑے جگر کے دیکھ کر، سینۂ فگار دیکھ کر

قیدِ قفس کو دیکھ کر، جوشِ بہار دیکھ کر
چپ ہوں میں ہائے گردشِ لیل و نہار دیکھ کر

شکوؤں کا کس کو ہوش تھا، نکلا نہ حرفِ مدعا
کس کے حواس تھے بجا جلوۂ یار دیکھ کر

کوستے رہتے تھے مجھے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے جو
روتے ہیں کس لئے وہ اب میرا مزار دیکھ کر

ہائے یہ رنگِ بیکسی، تھام کے دل اک آہ کی
فہمیِ خستہ جاں نے آج صورتِ یار دیکھ کر

(۹)

الفاظ دلفریب ہیں، مضموں مگر غلط
تسکینِ خط غلط، سخنِ نامہ بر غلط

او بدگماں! حکایتِ سوزِ جگر غلط؟
طوفانِ شب فریب؟ خروشِ سحر غلط؟

سینہ فگار اور خلشِ دردِ دل دروغ؟
ناخن رہینِ کاوشِ زخمِ جگر غلط؟

میں بے نیازِ کشمکشِ انتظار، جھوٹ
ایفائے عہد آپ کو مدِ نظر، غلط

میری شکایتِ غمِ ہجراں، مبالغہ
وعدہ ہی کیوں حضور کریں اسقدر غلط

دیجے نہ دادِ شیوۂ تمکین و ضبط کی
کہدیجئے کہ عذرِ خطا سربسر غلط

فرمائیے کہ عرضِ تمنائے دل فضول
کہئے کہ داستانِ وفا بے اثر، غلط

صرفِ نیازِ عشق، جفاکیشِ نازِ حسن
اللہ، ہے نظامِ وفا کس قدر غلط

پھر مظہرِ جلال ہے وہ شعلۂ جمال
اب عزمِ ضبط و قوتِ اہلِ نظر غلط

یکساں ہے موت کنجِ قفس ہو کہ صحنِ باغ
اندوہِ مرگِ بیوطنی سر بسر غلط

ہنگامۂ حیات کی تعبیرِ ناتمام
اک لفظِ آرزو ہے مگر کس قدر غلط

مجھ سے نہ پوچھئے، مرا دامن نہ دیکھئے
سوزِ دل و تراوشِ مژگانِ تر غلط

ہندوستاں میں حضرتِ فہمی یہ آپ کا
دعوائے زہد و عصمتِ ذوقِ نظر غلط

(۱۰)

جی میں ہے پھر دل کو رازِ عشق کا محرم کریں
یعنی پھر اپنا نظامِ زندگی برہم کریں

پھر جنوں میں توڑ کر شیرازۂ امن و سکوں
سینۂ مجروح وقفِ کاوشِ پیہم کریں

ہم نشیں کچھ ہم نہیں نامحرمِ لطفِ خلش
زخم کو کیوں زیر بارِ منتِ مرہم کریں

یہ تو ممکن ہے کہ سعیِ چارہ گر مشکور ہو
لذتیں دردِ جراحت کی مگر کیوں کم کریں

تم تھے جانِ آرزو، تم کیا گئے دل بجھ گیا
ورنہ ہم اپنی تمناؤں کا یوں ماتم کریں

آؤ، حسن و عشق کے قصے کو کر لیں مختصر
اس طرح قربانیاں کچھ تم کرو کچھ ہم کریں

تم تغافل، ہم شکایت ہائے ماضی چھوڑ کر
از سرِ نو رشتۂ الفت کو مستحکم کریں

اب کہاں عہدِ تمنا کی طلسم آرائیاں
بس یہ اک احساس باقی ہے کہ اُن کا غم کریں

یوں بسر کر لیں فسردہ زندگی کے چند دن
رو دیں ارماں کو، دلِ مرحوم کا ماتم کریں

آہ! یہ افسردگی اور یہ جمودِ حیات
مضحکہ ہے زندگی کا ادعا گر ہم کریں

میں سکونِ قلب کی بربادیاں دیکھا کروں
آپ یوں جمعیتِ کونین کو برہم کریں

مرنے والا بے نیازِ رسمِ غم ہے بعدِ مرگ
کیوں نہ فہمی زندگی میں آپ کا ماتم کریں

(۱۱)

چلا ہے دل کو لیکر، او وفا دشمن! سمجھتے ہیں
سمجھتے ہیں، تری بدلی ہوئی چتون، سمجھتے ہیں

وہی ذوقِ ترنم ہے، وہی جذباتِ آزادی
اسیرانِ چمن زنداں کو بھی گلشن سمجھتے ہیں

ترے زیبِ گلو ہوں، یا کسی بیکس کی تربت پر
یہی دو چار گل ہم حاصلِ گلشن سمجھتے ہیں

بڑھایا اس قدر ذوقِ الم بربادیِ دل نے
کہ ہم ہر نغمۂ شادی کو بھی شیون سمجھتے ہیں

زباں سے کچھ نہیں کہتے کہ تیرا پاسِ خاطر ہے
سمجھتے ہیں مگر سرگوشیِ دشمن، سمجھتے ہیں

جنھیں برقِ سیاست نے جلا کر خاک کر ڈالا
ہم اُن دانوں کو فہمی حاصلِ خرمن سمجھتے ہیں

(۱۲)

خوگرِ ضبط کو کچھ شکوۂ بیداد نہیں
شکرِ بیداد ہے لب پر مرے فریاد نہیں

کچھ نہ نکلے مری ایذا طلبی کے ارماں
چرخ کو کوئی نئی طرزِ ستم یاد نہیں

پھر بہار آکے ہوئی سلسلہ جنبانِ جنوں
وائے قسمت کہ ہم اس سال بھی آزاد نہیں

داستاں عہدِ گزشتہ کی نہ چھیڑ اے صیاد
اب قفس میں ہمیں افسانۂ گل یاد نہیں

اے محبت! تری بیدادِ محبت کے نثار
رحم کر رحم کہ اب طاقتِ فریاد نہیں

آپ کیوں روئے نگاریں عرق آلود کریں
میں بتا دوں جو کوئی طرزِ ستم یاد نہیں

(۱۳)

اصلِ ہستی جز نزاعِ راحت و کاہش نہیں / کون دنیا میں رہینِ رنج و آسائش نہیں
مایۂ صد ناز تیرا انتسابِ حُسن ہے / ورنہ ذوقِ عاشقی سرمایۂ نازش نہیں
نیچی نظریں دے رہی ہیں دعوتِ ذوقِ خلش / میں نے مانا آپ کی کوشش نہیں خواہش نہیں
ہو چکا شاید امیدِ زیست کا قصہ تمام / آج کچھ اشکوں میں رنگِ خوں کی آمیزش نہیں
کائناتِ عشق کے آثار عبرت خیز ہیں / ایک دل باقی ہے اُس کی بھی کہیں پرسش نہیں
حسن بیتابِ نمائش، عشق مشتاقِ جمال / لو مبارک، خوفِ رُسوائی کی گنجائش نہیں
ہاں لٹائیں آپ فہمی خوب گنجِ شایگاں / کچھ اصولِ قافیہ کی آجکل پرسش نہیں

(۱۴)

خاکِ تربت تک مری برباد کی / اب تو نکلی آرزو بیداد کی
ہر عنایت اُس ستم ایجاد کی / اک نئی تمہید ہے بیداد کی
جان بھی آواز کے ہمراہ تھی / کس طرح بیمار نے فریاد کی
مژدہ باد اے خاطرِ ایذا طلب / ابتدا ہوتی ہے اب بیداد کی
دیکھنا ہے منظرِ انجامِ صبر / کیوں کریں تقلید ہم فرہاد کی
تشنۂ مضراب ہے سازِ جنوں / پھر ہوس ہے نشترِ فصاد کی
دوستو پوچھو نہ فہمی کا نشاں / کیا خبر اُس خانماں برباد کی

(۱۵)

نوید چرخ کو ہو بجلیاں گرانے کی
کہ طرح ڈال رہا ہوں پھر آشیانے کی

جگر کے داغ ہیں رنگینیاں فسانے کی
ہیں ورنہ راحت و غم گردشیں زمانے کی

مآلِ عرضِ تمنا کسے نہیں معلوم
مگر ہوس نہ رہے قسمت آزمانے کی

میں اور خواہشِ آسودگی، معاذ اللہ
کہ ہے پیامِ قفس راحت آشیانے کی

نگاہ تم نے جو پھیری، تو پھر گئی دنیا
مری نظر میں ہیں سب گردشیں زمانے کی

کچھ اسطرح سے بجھے جھلملا کے داغِ جگر
نظر میں پھر گئی شکل اُن کے مسکرانے کی

اجازتِ نگہِ ناز ہو تو جھک جائے
مری جبیں کو تمنا ہے آستانے کی

ترس گئی ہے نظر ایک ایک تنکے کو
قفس میں ڈالئے کیا طرح آشیانے کی

فریبِ جوشِ تمنا بھی واہ کیا شے ہے
نظر میں ہیچ ہیں سب آفتیں زمانے کی

نقوشِ خونِ تمنا ہیں یہ سرِ دامن
یہ سرخیاں نہیں ظالم کسی فسانے کی

قفس میں ہائے رہی مجبوریاں کہ بجلی سے
میں پوچھتا ہوں خبر اپنے آشیانے کی

ترے شباب نے لی اس طرح کچھ انگڑائی
سمٹ کے آگئیں رنگینیاں زمانے کی

نہ پوچھ عہدِ تمنا کی شورشیں فہمی
حکایتیں ہیں یہ بھولے ہوئے فسانے کی

(۱۶)

دل میں جو تابِ ضبط نہ پیدا کرے کوئی
پھر کیوں مذاقِ عشق کو رسوا کرے کوئی

کیسی کٹی ہے آنکھوں ہی آنکھوں میں ساری رات
تیری طرح کسی سے نہ وعدہ کرے کوئی

فہمی کسی کا ہائے یہ کہنا ادا کے ساتھ
چھپ چھپ کے ہم کو روز نہ دیکھا کرے کوئی

(۱۷)

اے نگاہِ واپسیں! اے ترجمانِ زندگی
ختم کر تمہید شرحِ داستانِ زندگی

الوداع اے صبحِ عشرت! الفراق اے شامِ غم
آج رخصت ہو رہا ہے میہمانِ زندگی

لے گئی ہے گردشِ ایام مجھ سے چھین کر
ہائے وہ ساعت جو تھی دراصل جانِ زندگی

میں ہوں مایوسِ تمنا میں ہوں ناکامِ حیات
میری ہستی پر تمہیں کیوں ہے گمانِ زندگی

مرنے والے کی نگاہِ یاس و آہِ سرد میں
کوئی سمجھے تو نہاں ہے داستانِ زندگی

اُف یہ چشمِ کم بیں پُر درد اُف یہ تشنہ نگاہ
آج لٹتا ہے کسی کا کاروانِ زندگی

تم بھی میدانِ عمل میں زندگی کا دو ثبوت
آج دنیا میں ہے فہمی امتحانِ زندگی

(۱۸)

وہ دل کے ولولے وہ مسرت نہیں رہی
اب وہ شگفتگیِ طبیعت نہیں رہی

ناکامیوں نے دل کو کچھ ایسا بجھا دیا
اب کامیابیوں میں مسرت نہیں رہی

تخئیل ہی سے انجمن آرائیاں رہیں
خلوت میں بھی ہمیں کبھی خلوت نہیں رہی

لو ہو چکا مریضِ محبت کا خاتمہ
تکلیف کی اب آپ کو حاجت نہیں رہی

فہمی کی یادگار کو کیا ڈھونڈھتا کوئی
مٹی کا ایک ڈھیر ہے تربت نہیں رہی

(19)

کچھ تسلی تو ہو ہی جاتی ہے　　شورِ فریاد دلنشیں نہ سہی
اُن کی ہاں پر ہے جب مدارِ حیات　　نہ سہی آج اک نہیں نہ سہی
توبہ توبہ خدا نہیں ہیں آپ　　وعدۂ حشر پھر نہیں نہ سہی
جذبۂ وحشت آفریں تو ہے　　موسمِ وحشت آفریں نہ سہی
میرے دیوانہ پن کی خیر رہے　　نہ رہیں جیب و آستیں نہ سہی
تو ہو اور سیرِ باغ و لطفِ بہار　　اک ستمکش اگر نہیں نہ سہی
ہے سہارا تو زیست کا فہمی　　اُن کے پیمان پر یقیں نہ سہی

(20)

دل نے اس درجہ کیا خوگرِ بیداد مجھے　　ڈھونڈھتی پھرتی ہے دنیا میں ہر افتاد مجھے
بڑھ کے سینہ سے لگا خنجرِ بیداد مجھے　　آج اک رسمِ وفا کرنی ہے ایجاد مجھے
خوش رہیں آپ یہ ہے مقصدِ ہستی اپنا　　اور جی کھول کے کر دیجئے برباد مجھے
نازشِ زندگیِ خضر ہے یہ بربادی　　یاد کرتے ہیں مٹا کر ستم ایجاد مجھے
داد دیتا ہوں میں اس حسنِ نظر کی فہمی　　نغمۂ بلبل کو دیا طاقتِ فریاد مجھے

(21)

ہشیار رہو گر عقل سے بیگانہ نہیں ہے　　اک درس ہے یہ لغزشِ مستانہ نہیں ہے

سُن، ذوقِ محبت سے جو بیگانہ نہیں ہے
عبرت کا سبق ہے مرا افسانہ نہیں ہے

اک میں، کہ تری آس بھی توڑی نہیں جاتی
اک تو ہے کہ لب پر ترے روزانہ نہیں ہے

اس جلوہ گہِ حسن میں لیلیٰ تو ہو کوئی
مخصوصِ جنوں نجد کا ویرانہ نہیں ہے

افسردگیِ دل ہو تو بستی بھی ہے ویراں
آباد ہو دل تو کہیں ویرانہ نہیں ہے

بن خوگرِ تسلیم و رضا ضبطِ فغاں کر
فریاد میں کیا رنگِ حریفانہ نہیں ہے

کیا پوچھتی ہے حوصلہ سوزشِ پنہاں
اے برقِ نظر دل کوئی پروانہ نہیں ہے

(۲۲)

مٹا دیتے ہیں نقشِ آرزو کو یاس کے جھونکے
مری کشتی کو یہ موجیں ہٹا دیتی ہیں ساحل سے

یہ اک تصویرِ حسرت ہے، وہ اک تصویرِ عشرت ہے،
بھلا نسبت ہی کیا شمعِ لحد کو شمعِ محفل سے

(۲۳)

قلب مضطر ہے، جگر بے چین ہے
کیا کہوں میں گھر کا گھر بےچین ہے

اُف یہ دو جانوں پہ دنیا کے ستم
اِس طرف میں، وہ اُدھر بےچین ہے

اللہ اللہ، تابشِ حسن و جمال
روئے جاناں پہ نظر بےچین ہے

نزع میں یہ کون بالیں پر مری
مجھکو مضطر دیکھ کر بے چین ہے

مرنے والے! دیکھ تاثیرِ وفا
کوئی تیری قبر پر بے چین ہے

کس قدر جذبات ہیں فہمی کہ دل
ہر زمینِ شعر پر بے چین ہے

(۲۴)

ہے جلوہ ریز اوجِ فلک پر ہلالِ عید
کچھ کچھ شباہتِ خمِ ابرو لئے ہوئے

پھر دل میں اک امید کی کچھ گدگدی سی ہے
کمبخت وہ بھی یاس کا پہلو لئے ہوئے

کِھلوا رہا ہے کوئے ملامت کی ٹھوکریں
دل ہے ابھی جنوں کی وہی خو لئے ہوئے

گو التجا برنگِ عقیدت سہی مگر
اپنے کو بدحواس وزاتو لئے ہوئے

ہم جا رہے ہیں داورِ محشر کے سامنے
دامانِ انفعال میں آنسو لئے ہوئے

(۲۵)

چین فرقت میں نہیں آتا کسی پہلو مجھے
بیکسی رُلوا رہی ہے خون کے آنسو مجھے

غیر بھی کڑھتے ہیں مجھکو دیکھ کر اندو ہگیں
کاش اس حالت میں آکر دیکھ لیتا تو مجھے

(۲۶)

ہے رنج بیکسی بھی دنیا میں اک بُری شے
ہم رو دئے ہیں اکثر خود کہہ کے کچھ زباں سے

دنیا مری خوشی کی تاریک ہو گئی ہے
جس روز سے گئے ہو تم روٹھ کر یہاں سے

(۲۷)

ظاہر تمام موت کے آثار ہو گئے
مایوس اب مریض سے غمخوار ہو گئے

پھر انتہائے شوق نے دیوانہ کر دیا
پھر آج جان دینے پہ تیار ہو گئے

اللہ کس بلا کی پر ستی ہے بیکسی
عبرت کی داستاں درو دیوار ہو گئے

اُٹھی نگاہِ شوق جھکی شرمگیں نظر
دونوں میں اس طرح سے کچھ اقرار ہو گئے

(۲۸)

ویرانیوں سے گھر بھی بیاباں نظر میں ہے
صحرا نوردِ فہمیِ دیوانہ، گھر میں ہے

مخصوصِ فصلِ گل ہے، نہ ممنونِ سحرِ حسن
شوریدگی ہی فطرتِ دیوانہ گر میں ہے

ہے دیدنی کشاکشِ حرمان و آرزو
قسمت کا فیصلہ جو کفِ نامہ بر میں ہے

کافی نہیں ہے عذرِ تغافل جواب میں
اک آرزو بھی شکوۂ نامختصر میں ہے

سب کچھ وہی ہے تم جو نہیں زینتِ مکاں
افسردگی سی رونقِ دیوار و در میں ہے

انجامِ عشق، رازِ مشیت، مآلِ کار،
میری نظر میں ہے نہ تمہاری نظر میں ہے

جوشِ الم، تراوشِ غم، خونِ آرزو،
دنیائے عشق گوشۂ دامانِ تر میں ہے

فہمی ستم ظریفیِ قسمت تو دیکھئے
اک لمحۂ نشاط مری عمر بھر میں ہے

(۲۹)

ستم کش! گریۂ پیہم کی آخر حد کہیں تک ہے
کہ تیرے آنسوؤں سے تر کسی کی آستیں تک ہے

مجھے انجام تو معلوم ہے عرضِ محبت کا
مگر امید کی وابستگی اُن کی نہیں تک ہے

مٹا دے ہم کو لیکن یاد رکھ اے حسنِ خود دارا!
کہ حسن و عشق کی یہ گرم بازاری ہمیں تک ہے

معاذ اللہ، یہ ذوقِ نظر بیمارِ غم تیرا
جمالِ دوست کی حسرت نگاہِ واپسیں تک ہے

سمجھتا ہوں، تغافل آشنا! میں سب سمجھتا ہوں
یہ جورِ ناروا تیرا مری جانِ حزیں تک ہے

قفس میں کون ہوتا ہے، شریکِ رنجِ تنہائی
محبت ہمنوایانِ گلستاں کی یہیں تک ہے

چھپائے سے کبھی دل کا تعلق چھپ نہیں سکتا
یہ اندازِ محبت وہ نگاہِ خشمگیں تک ہے

تری مشقِ ستم میں اور روز افزوں ترقی ہو
مگر میری تباہی کی بھی آخر حد کہیں تک ہے

ہزاروں یوں تو ہوں گے مدعیِ عشق دنیا میں
مگر یہ ہمتِ مردانہ اے فہمی تمھیں تک ہے

(۳۰)

دنیا میں کیا نہ سیکھا، دنیا میں کیا نہ بھولے
اک تم وفا نہ سیکھے، اک ہم وفا نہ بھولے

وہ تم، کہ یاد کرنا جس نے کبھی نہ سیکھا
وہ ہم کہ بھول کر بھی عہدِ وفا نہ بھولے

ہاں تم کو بھول جانا سچ ہے ہمیں نہ آیا
بھولے بھی ایک دن کو تم بھولنا نہ بھولے

اک روز بھی نہ سیکھی ہم نے ادا تمھاری
اک روز بھی مگر تم اپنی ادا نہ بھولے

ہم کو کبھی نہ آئے جور و جفا کے شکوے
تم نام کو بھی اپنے جور و جفا نہ بھولے

نظروں میں پھر رہی ہیں اب تک وہ مست آنکھیں
اپنی تباہیوں کی ہم ابتدا نہ بھولے

یہ مہر یوں کو فہمی تمہیدِ مہر جانا
آئینِ رسمِ الفت یعنی ذرا نہ بھولے

لوحِ مزار

خوشا وہ بندہ، زہے وہ مولیٰ، خدا ہو بندہ نواز جس کا
تلاش تھی جس کی عمر بھر سے وہ نعمتِ لازوال پالی
فضائے خاموش و کُنجِ تربت، یہ لطفِ خلوت، یہ خوابِ راحت
نہ اب کسی سے امید کوئی، نہ اب کسی سے ملال باقی
جو آئیں احباب فاتحہ کو تو شکریہ اُن کے اس کرم کا
مگر جو فہمی کو ڈھونڈتے ہیں تو اس مکاں میں نہیں ہے فہمی
لباسِ زنداں کی خاک ہے یا شکستہ زنجیر کے ہیں ٹکڑے
تمام نقش و نگارِ ہستی میں ہے یہی یادگارِ ہستی
حقیقتِ موت و زندگانی بقولِ آزاد ہے تو یہ ہے
نزاعِ دیرینہ مٹ چکی ہے امید و نومیدیِ بقا کی
اسیر آزاد ہو چکا ہے کشاکشِ زندگی مٹا کر